Center For Education & Research (Islamabad Pakistan) Name of faculty: Specialization in fiqhil islami wal'ifta		مرکز تعلیم و تحقیق (اسلام آباد پاکستان) شعبہ: تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء

کوہستان میں خواتین سے متعلق رسومات کا شرعی جائزہ

نگران مقالہ

مولانا ڈاکٹر حبیب الرحمن صاحب

مدیر، مرکز تعلیم و تحقیق اسلام آباد

مقالہ نگار

وصی الرحمٰن

بداکوٹ، تحصیل پالس ضلع کوہستان

سیشن:2016/2018

انتساب

اپنے والدین اور تمام ان اساتذہ کے نام، جن کے زیر سایہ جسمی، علمی اور روحانی تربیت پائی۔

فہرست

انتساب 2

مقدمہ 5

رسم،رواج اور عادت کی لغوی تحقیق 7

رسم ورواج کی قسمیں 9

کوہستان میں خواتین سے متعلق 11

رسومات کا تفصیلی جائزہ 11

"سُورَۃ" کی رسم 12

لڑکی کی پیدائش پر غم منانا 19

وٹہ سٹہ کی شرعی حیثیت 22

بالغ لڑکیوں کا ان کے رضامندی کے بغیر شادی کرنا 25

کیا عاقل،بالغ لڑکی کی اجازت کے بغیر ولی نکاح کرا سکتا ہے: 29

مہر سے متعلق رسومات 31

ژپ یعنی مہر سے زیادہ رقم لینے کا حکم: 33

تعلیم نسواں: 35

غیرت کے نام پر قتل 40

بیوہ کو اپنی میراث سمجھنا: 47

متعدد شادیوں کا رواج اور عدل کا فقدان 49

لڑکیوں کو میراث میں حصہ نہ دینا: 53

مقدمہ

- **تعارف، ضرورت واہمیت**

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی نبینامحمدصلی اللہ علیہ وسلم ۔امابعد

اللہ رب العزت نے انسانوں کے لیے دین فطرت یعنی اسلام کو پسند کیاہے، اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانی فطرت کے قریب تر ہے، اسلام پر عمل پیرا ہو کر ہی انسان سکھ اور چین کی زندگی گزار سکتاہے۔ اسلام کی پوری تشریح ہمیں قرآن وحدیث میں واضح اور صاف انداز سے ملتی ہے، نظام معاشرت ہو یا نظام معیشت ہر پ ایک کے کے متعلق اسلام نے وہ رہنما اصول بتاہے ہیں جن پر عمل کر کے انسان امن اور سکون کی زندگی گزار سکتاہے، لیکن جب انسان قرآن وحدیث کو چھوڑ کر خود کے بنائے ہوئے قوانین اور اپنے آباء واجداد کے رسم ورواج پر چلنے لگتاہے تو وہ نہ صرف اللہ کے احکامات کو توڑنے والاہے بلکہ خود اسکی زندگی بھی مشکلات کا شکار ہوتی ہے اس سے معاشرے کا امن اور چین بھی برباد ہو جاتاہے، احکامات الٰہی کو چھوڑ کر اپنے آباء واجداد کے رسومات پر چلنے والے کی مثال اُس پیاسے کی ہے جو لق ودق صحرا میں سیراب کو پانی سمجھ کر اِدھر اُدھر بھٹکتا رہتاہے، ہر چمکنے والی چیز کو وہ پانی سمجھ کر اس کے پیچھے بھاگ تاہے مگر ظاہری چمک دراصل اس کی انکھوں کا دھوکا ہوتاہے جس کا انجام آخرکار موت ہی ہے، اسی طرح جو آدمی رسومات کی ظاہری چمک دھمک کو دیکھ کر اس کے پیچھے چلتاہے وہ دار اصل اندھیرا ہو تاہے اُس کا انجام بھی بالآخر خسر الدنیاوالآخرہے،

اس کی ایک چشم کشا اور واضح مثال اسلام سے قبل عرب کا معاشرہ ہے جو رسومات کے دلدل میں پھنسا ہوا تھا، آباء واجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وہ انسانیت کی تمام حدیں پار کر چکا تھا وہاں کے لوگ رسومات کی ایک ایسی وادی میں بس تے تھے جہاں ظلم وستم اور قتل وغارت کا بسیرا تھا، جہاں بنت حوا کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک ہوتا تھا، لڑکی کی پیدائش کی خبر سن کر پیشانی پر بل پڑ جاتے تھے، اپنی ہی لخت جگر کو منوں مٹی تلے دفن کیا جاتا تھا، عورت کو ترکہ سمجھ کر میراث میں تقسیم کیاجاتا تھا، مگر اللہ رب العزت نے اپنے پیارے نبی محمد مصطفی ﷺ کو مبعوث فرمایا جس نے عرب کے اس معاشرے کو امن گہوارا بنایا، عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دیے، بیوی کو مرد کے لیے لباس، بیٹی کو والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک، بہن کو بھائی کی عزت اور ماں کے قدموں تلے جنت رکھ دی، جوں جوں قرآن اترتا گیا عرب سے ایک ایک ہو کہ رسومات مٹ تی گئیں، یہاں تک کہ عرب کا معاشرہ ان رسومات سے پاک صاف ہوا، مگر افسوس سے کہنا پڑتاہے کہ پاکستان کے مشرق میں واقع خیبر پختون خواہ کا آخری ضلع کوہستان میں اور بعض پختون علاقوں میں اب بھی اکثر رسوامات جو عرب معاشرے میں تھیں اپنی اصلی شکل میں موجود ہیں، آج بھی کوہستان میں بیٹی کی پیدائش پر غم منایا جاتاہے، بیوہ کو آج بھی کوہستانی قوم اپنی میراث سمجھتی ہے، عورت کو آج بھی میراث میں حصہ نہیں دیا جاتاہے، آج بھی کوہستانی عورت مظلوم ومقہور ہے، اپنے بچوں کے ساتھ بات کرنا آج بھی وہاں معیوب سمجھا جاتاہے، ان رسومات کو لوگ آج بھی اپنی غیرت و حمیت اور ثقافت کا حصہ سمجھتے ہیں، اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان لوگوں کو ان رسومات کی قباحتوں سے اگاہ کی کیاجائے، قرآن وحدیث کی روشنی میں ان رسومات کا حکم مرتب کیا جائے، میں نے اسی لیے اپنے مقالے کے لیے اس موضوع کا انتخاب کیاہے تاکہ، فلیونذروقومھم،،،،، کا فریضہ بھی ادا ہو اور لوگوں کو ان رسوامات کی حقیقت اور حکم کا ادراک ہو سکے۔

رسم، رواج، عادت کی لغوی

اور

اصطلاحی تحقیق

رسم، رواج اور عادت کی لغوی تحقیق

رسم کی لغوی تحقیق:

"رَسمٌ" عربی زبان کا لفظ اور باب نصر ینصر سے مصدر کا صیغہ ہے، اس کی جمع "رُسُوم " اور "اَرسُم " آتی ہے، عربی زبان میں رسم مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ نقشہ، تصویر، نشان، ڈیزائن، طور وطریقہ، ٹیکس، محصول، فیس[1]

اردو زبان میں رسم کا معنی دستور، قاعدہ اور ریت کے آتا ہے،[2] مروجہ طور وطریقہ کو بھی رسم اس لیے کہا جاتا ہے کہ لوگ اس رسم کو اپنے لیے قاعدہ اور دستور سمجھتے ہیں۔

رواج کی لغوی تحقیق:

"رِوَاج "باب نصر ینصر سے عربی زبان کا مصدر ہے، اس کا معنی ہے رواج پانا، عام ہونا، پھیلنا، جیسا کہ عربی میں کہا جاتا ہے: "راج الخبر "خبر پھیل گئی[3]۔

اردو زبان میں رواج کا معنی ریت، رسم، قاعدہ، قانون، ضابطہ اور مروج کے آتا ہے،[4] مروجہ طور وطریقہ کو بھی رواج اس لیے کہتے ہیں کہ لوگ اس رواج کو قاعدہ اور قانون سمجھتے ہیں،

عادت کی لغوی تحقیق:

"عادت" بھی باب نصر ینصر سے مصدر کا صیغہ ہے اس کا معنی لوٹنے یا دبارہ کرنے کے آتا ہے[5]، لوگوں میں جو چیز مروج ہوتی ہے اس کو بار بار کرتے ہیں اس لیے اس کو عادت کہا جاتا ہے۔

اردو زبان میں عادت کا معنی خو، خصلت، خاصیت، دستور، طریقہ اور ریت کے ہیں[6]

1۔ قاسمی، وحید الزمان، القاموس الوحید، ص624، ادارہ اسلامیات لاھور، 2001

2۔ سعید اے شیخ، رابعہ اردو لغت، ص598، اسلامک بک سروس، 2007

3۔ قاسمی، وحید الزمان،، القاموس الجدید، ص286، ادارہ اسلامیات، 1990

4۔ رابعہ اردو لغت، ص608،

5۔ ابوالضل، مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، ص557، مکتبہ قدوسیہ لاھور، 1999

6۔ رابعہ اردو لغت، ص754،

رسم ورواج اور عادت کی اصطلاحی تعریف

عربی زبان میں رسم اور رواج کے الفاظ الگ طور پر استعمال نہیں ہوتے ہیں بلکہ یہ عادت کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں، فقہا اور اصولیین بھی رسم اور رواج کے الفاظ کو عادت کے معنی میں ہی استعمال کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ رسم ورواج اور عادت میں اگرچہ لغوی اعتبار سے فرق ہے مگر مصداق اور اصطلاح کے اعتبار سے یہ تینوں الفاظ مترادف ہیں، لہٰذا عادت کی جو اصطلاحی تعریف ہو گی رسم ورواج کی بھی وہی تعریف ہو گی۔

عادت کی اصطلاحی تعریف:

فقہاء اور اصولیین نے عادت کی مختلف تعریفات کی ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی تعریف: ''العادة: عبارة عمایستقر فی النفوس من الامورالمتكررة المقبولة عندالطباع السليمة ''[7]

عادت ایسی کیفیت ہے جو کسی عمل کے باربار دہرانے سے نفس میں مرتکز ہو جائے اور سلیم الفطرت طبیعتوں کے لیے قبول ہو

عادت کی دوسری تعریف:

''العادة: مااستمرالناس عليه على حكم المعقول وعادواالیه مرة بعدأخرى ''[8]

عادت ایسے معقولی حکم کا نام ہے جس پر لوگ مداومت اختیار کریں اور اس کو باربار دہرائیں

عادت کی تیسری تعریف:

''العادة هی الامرالمتكررمن غيرعلاقة عقلية ''[9] کسی عقلی تعلق کے بغیر بار بار پیش آنے والے امر کا نام عادت ہے

رسم ورواج کی اصطلاحی تعریف:

اوپر ذکر کی گئی عادت کی اصطلاحی تعریفات میں غور وفکر کے بعد رسم ورواج کی تعریف یہ معلوم ہوتی ہے:

7۔ابن نجیم،زین الدین بن ابراھیم بن محمد،(م:970ھ)الاشباہ والنظائر،ص79،دارالکتب العلمیة،2010

8۔جرجانی ،علی بن محمدبن علی الجرجانی،التعریفات للجرجانی،م 816ھ،ص188،دارالکت العربی بیروت،1405ھ

9۔شامی،السید محمدامین،مجموعة رسائل ابن عابدین،114/2،عالم الکتب،س ن۔

کسی بھی معاشرے میں جاری ایسا قول و فعل جو اُس معاشرے کے افراد بغیر کسی عقلی تقاضے کے بار بار کریں اس کو رسم ورواج کہتے ہیں۔

رسم ورواج کی قسمیں

حکم کے اعتبار سے رسم کی دو قسمیں ہیں: 1۔رسم صحیح،2:رسم فاسد

رسم صحیح کی تعریف:

"مالایخالف نصامن نصوص الشرعیة ،ولایفوت مصلحة معتبرة ،ولایجلب مفسدة راجحة "[10]"رسم صحیح اس رسم کو کہتے ہیں جو نص شرعی کے مخالف نہ ہو اور نہ ہی اس سے کوئی مصلحت فوت ہوتی ہو اور نہ ہی وہ کسی واضح مفسدہ کو پھلانے والا ہو۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

رسم صحیح اس قولی یا فعلی رواج کو کہتے ہیں جس کے قبول کر لینے سے کوئی نص معطل یا بالکلیہ محروم نہ ہوتی ہو اور وہ رواج شریعت کے مسلمہ عمومی قواعد کے خلاف بھی نہ ہو[11] مثلا کوہستان میں لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی جلدی کرنے کی رسم ہے جو کہ قابل ستائش اور اچھی رسم ہے،اس کو رسم صحیح کہا جائے گا۔

رسم فاسد کی تعریف:

" ماکان مخالفالنص الشارعاو یجلب ضرراویدفع مصلحة"[12]،

رسم فاسد اس رسم کو کہتے ہیں جو شارع کے نص کے خلاف ہو یا اس رسم پر عمل کرنے سے ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو،یا کوئی مصلحت اس سے فوت ہوتی ہو۔

یعنی ایسا رواج اگر اس کو قبول کیا جائے تو کسی نص پر عمل فوت ہو جائے یا وہ رواج شریعت کے تسلیم شدہ اصول و قواعد سے متصادم ہو اس کو رسم فاسد کہتے ہیں۔[13] مثلا کوہستان میں ایک رسم ہے جب کوئی مرد فوت ہو جاتا ہے تو اس کے بھائی اور برادری والے متوفی کی بیوہ کو اپنی میراث سمجھتے ہیں،اس سے نکاح کرنے کو اپنا حق

10زیدان۔سیدعبدالکریم زیدان۔الوجیزفی اصول الفقه،ص253۔مکتبه رحمانیه،س ن۔

11۔رحمانی،مولانا خالد سیف اللہ رحمانی،قاموس الفقہ،ص3/383،زمزم پبلشرز،2015

12۔الوجیزفی اصول الفقه،ص253،

13۔القاموس الفقه،ص3/383،

سمجھتے ہیں، یہ رسم قرآن کے واضح حکم کے خلاف ہے کیونکہ قرآن کا حکم ہے،" یاایھاالذین امنوالایحل لکم ان ترثواالنسآء کرھا"[14] اے ایمان والو یہ بات تمھارے لیے حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو" اس جیسی رسومات کو رسم فاسد کہتے ہیں۔

14۔ النسا،19/4

کوہستان میں خواتین سے متعلق

رسومات کا تفصیلی جائزہ

''سُوْرَہْ'' کی رسم

رسم نمبر ایک:

کوہستان میں اس رسم کی عملی صورت:

ویسے تو کوہستانی معاشرے میں صنف نازک پر رسم ورواج کے نام سے طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں، مگر سورہ سب زیادہ دردناک رسم ہے، یہ رسم انسانیت کے نام پر دھبہ ہے، اِس رسم کی بھینٹ چڑھنے والی لڑکی کی زندگی جہنم زار بن جاتی ہے۔

اِس رسم کی عملی صورت یہ ہے کہ کوہستانی معاشرے میں جب ایک قبیلے کا آدمی دوسرے قبیلے کے کسی شخص کو قتل کر دیتا ہے، تو خون اور قتل کے عوض میں قاتل کے قبیلے والے مقتول کے رشتہ داروں کو صلح میں لڑکیاں دیتے ہیں، اس کو کوہستانی زبان میں ''سُوْرَہ'' کہا جاتا ہے۔ جب یہ رسم شروع ہوئی تو ابتدا میں ایک لڑکی دی جاتی تھی، مگر رفتہ رفتہ اس میں اضافہ ہوتا گیا، اب اس وقت اکثر علاقوں میں ایک قتل کے عوض تین لڑکیاں اور پانچ لاکھ روپے دے جاتے ہیں، یہ لڑکیاں جب شادی کے بعد اپنے شوہروں کے گھر جا بستی ہیں تو عموماً وہ گھر اُن کے لیے سکھ اور چین کے بجائے غم اور بے سکونی کا مسکن بن جاتا ہے، مقتول کے گھر والے اِن لڑکیوں کو قاتل سمجھتی ہیں، کسی نہ کسی بہانے اِن مظلوم اور بے قصور لڑکیوں پر اپنا غصہ اتارنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، اگر بالفرض میاں بیوی میں چپقلش کی وجہ سے ساتھ رہنا ممکن نہ ہو اور بات طلاق اور علیحدگی تک پہنچ جائے تب بھی اِن لڑکیوں کے شوہر اس لیے طلاق نہیں دیتے کہ یہ لڑکیاں خون بہا میں آئی ہیں۔ اگر کسی لڑکی کا خاوند فوت ہو جائے تو اس لڑکی کو دوسری جگہ شادی کرنے کی اجازت اس لیے نہیں دی جاتی کہ یہ لڑکی دیت میں ملی ہے وہ لوگ اس لڑکی کو گویا اپنی مملوکہ پراپرٹی اور خود کو اس کا مالک سمجھتے ہیں۔

سورہ کی حرمت قرآن سے:

قرآنی اصول ہے جو آدمی زیاتی کرتا ہے اُس کی سزا اُسی کو دی جائے گی، کسی کے گناہوں کا بوجھ کسی ناکردہ پر نہیں ڈالا جائے گا، قرآن کریم میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں،

'' وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ''[15]

اور جو کوئی شخص کوئی کمائی کرتا ہے، اس کا نفع نقصان کسی اور پر نہیں، خود اسی پر پڑتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی اور کا بوجھ نہیں اٹھائے گا

15۔ الانعام، 164/6

اس آیت میں اللہ کریم نے واضح انداز میں فرمایا کہ آدمی جو کچھ کرتا ہے اس کا نفع نقصان اسی پر ہو گا، یہ نہیں ہو گا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی، جبکہ سورہ کی رسم میں قتل مرد کرتا ہے اور اس کی سزا عورت کو دی جاتی ہے، اسلام سے قبل عرب معاشرے میں بھی اسی طرح کا رواج تھا، باپ کی سزا بیٹے کو اور بیٹے کی سزا باپ کو دی جاتی تھی یہ آیت اِس رسم کے رد میں نازل ہوئی، چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

"وقيل: إنها نزلت ردا على العرب في الجاهلية من مؤاخذة الرجل بأبيه وبابنه وبجريرة حليفه.قلت: ويحتمل أن يكون المراد بهذه الآية في الآخرة، وكذلك التي قبلها، فأما التي في الدنيا فقد يؤاخذ فيها بعضهم بجرم بعض"[16]

اور کہا گیا ہے کہ: یہ آیت عرب کے اُس رسم کے رد میں نازل ہوئی جس میں ایک شخص کو اس کے باپ، بیٹے اور حلیف کے جرم میں پکڑا جاتا تھا، میں کہتا ہوں: یہ بھی احتمال ہے کہ اس آیت سے آخرت اور آخرت سے قبل یعنی دنیا مراد ہو، پس دنیا میں اس سے مراد یہ ہے کہ بعض لوگوں کو بعض کے جرم میں پکڑا جاتا تھا

علامہ قرطبی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں بھی یہ رواج تھا کہ ایک کی سزا دوسرے کو دی جاتی تھی، اللہ نے اس رواج کو رد کر دیا کہ نہ دنیا میں ایسا کرنا جائز ہے اور نہ ہی اخرت میں یہ ہو گا کہ ایک کی سزا دوسرے کو دی جائے چونکہ سورہ میں بھی مرد کے گناہوں کی سزا عورت کو دی جاتی ہے اس لیے یہ بھی جائز نہ ہو گا۔

سورہ کی حرمت احادیث سے:

"عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم ،لا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض ولا يؤخذ الرجل بجريرة أبيه ولا بجريرة أخيه "[17]

حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا، تم لوٹ کر دوبارہ کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو اور کسی شخص کو اس کے باپ یا بھائی کی جنایت کی سزا نہیں دی جائے گی

اس حدیث میں واضح طور پر فرمایا کہ ایک شخص کے کیے کی سزا دوسرے کو نہیں دی جائیگی لیکن کوہستان میں موجود سورہ کی رسم میں باپ، بھائی یا چاچا کی کارستانیوں کی سزا ایک بیٹی، بہن اور بھتیجی کو دی جاتی ہے، جو کہ سراسر ظلم، ناانصافی اور بربریت ہے۔

دوسری حدیث:

اسلام میں صلح کی بڑی اہمیت ہے دو مسلمانوں میں صلح کرانا یقیناً اجر و ثواب کا کام ہے مگر ایسی صلح جس میں حلال چیز حرام قرار دیا جائے یا حرام چیز کو حلال قرار دیا جائے جائز نہیں ہے، حدیث مبارکہ ہے:

16۔ قرطبي، محمد بن أحمد بن أبي بكر (المتوفى: 671هـ) الجامع لأحكام القرآن، 157/7ج، دار الكتب المصرية، 1384هـ - 1964 م

17۔نسائي، أحمد بن شعيب، سنن النسائي الكبرى، باب تحريم القتل، حديث نمبر 1427

" أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:الصلح جائز بين المسلمين،إلا صلحا حرم حلالا،أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما"[18]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صلح مسلمانوں کے درمیان نافذ ہو گی سوائے ایسی صلح کے جو کسی حلال کو حرام کر دے یا کسی حرام کو حلال کر دے۔اور مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں، سوائے ایسی شرطوں کے جو کسی حلال کو حرام کر دے یا کسی حرام کو حلال کر دے۔

اس حدیث کی روشنی میں اگر سُورہ کے نتیجے میں ہونے والی صلح کو دیکھیں تو اِس صلح کا عدم جواز ہونا معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ اس صلح میں لڑکیوں کی شرط رکھی جاتی ہے یہ شرط رکھنا ہی حرام ہے، کیونکہ ایک آزاد عورت کو بطور دیت کے دیا جاتا ہے جو کہ ناجائز ہے، لہذا یہ صلح بھی ناجائز ہو گی۔

حرمت سُورہ پر فقہی دلیل۔

فقہی اصول ہے، جو چیز بیع میں عوض نہیں بن سکتی وہ چیز صلح میں بھی عوض نہیں بن سکتی، علامہ کاسانی لکھتے ہیں "فَمَا لَا يَصْلُحُ عِوَضًا فِي الْبِيَاعَاتِ لَا يَصْلُحُ بَدَلَ الصُّلْحِ، وَكَذَا إذَا صَالَحَ عَلَى عَبْدٍ، فَإِذَا هُوَ حُرٌّ: لَا يَصِحُّ الصُّلْحُ"[19]

جو چیز بیع میں عوض نہیں بن سکتی وہ چیز صلح کا بدل بھی نہیں بن سکتی اسی طرح جب کوئی صلح کر لیے اس شرط پر کہ عوض میں غلام دیگا اور وہ آزاد نکل آیا تو یہ صلح جائز نہیں ہے۔

اگر کوہستان میں موجود سورہ کی رسم کو اس فقہی اصول کی روشنی میں پَرکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ناجائز رسم ہے، شرعا یہ صلح ہی جائز نہیں ہے۔کیونکہ جو لڑکیاں صلح میں بطور عوض کے دی جاتی ہیں وہ آزاد ہوتی ہیں، اور آزاد عورت چونکہ بیع میں عوض نہیں بن سکتی، اس لیے ان کو صلح میں بطور بدلِ صلح کے دینا بھی جائز نہیں ہو گا۔

دوسری دلیل

فقہی اصول ہے:" كل ما يصلح أن يكون صداقا في النكاح يصلح أن يكون عوضا في الصلح عن القصاص"[20] ہر وہ چیز جو نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ قصاص میں عوض بھی بن سکتی ہے۔

18۔ترمذي، محمد بن عيسى ،(279) سنن الترمذي،باب ماذكرعن رسول الله ﷺ فى الصلح بين الناس،حديث نمبر1352

19۔ كاساني ،علاء الدين، أبو بكربن مسعود بن أحمد (م587ھ)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ،42/6 دار الكتب العلمية،1406ھ- 1986

20۔ابن نجيم، زين الدين بن إبراهيم بن محمد،970ھ ،البحر الرائق شرح كنز الدقائق،257/7 الطبعة: الثانية س ن۔

اِس فقہی اصول سے معلوم ہوتا ہے کہ قصاص میں اگر صلح کی جائے تو بدل صلح وہی چیز بن سکتی ہے جو نکاح میں مہر بننے کے قابل ہو، یعنی مال متقوم ہو اب دیکھا جائے تو سورہ میں جو لڑکیاں دی جاتی ہیں وہ آزاد ہوتی ہیں اور مال متقوم بھی نہیں ہیں، ان کو نکاح میں مہر بھی نہیں بنایا جاسکتا ہے، لہذا ان کو قصاص میں عوض بنانا بھی درست نہ ہو گا، اس سے ثابت ہوا کہ کوہستان میں جو لڑکیاں صلح میں دی جاتی ہیں اور سورہ کی جو رسم ہمارے ہاں مروج ہے وہ جائز نہیں ہے۔

سورہ کے سماجی اور معاشرتی نقصانات:

- جو لڑکیاں سورہ میں دی جاتیں ہیں وہ ہمیشہ ظلم و ستم کا شکار رہتی ہیں جس کی وجہ سے یہ لڑکیاں احساس کم تری میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔
- عموماً سورہ میں دی جانے والی لڑکیاں خاندان میں عمر رسیدہ، ان پڑھ اور جاہل قسم کے مردوں کے نکاح میں دی جاتی ہیں، عمر کے تفاوت اور ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے میاں بیوی میں اَن بَن رہتی ہے اور محبتوں کا یہ رشتہ نفرت اور عداوت میں بدل جاتا ہے۔
- ایسی لڑکیوں کو مقتول کے ورثاء اپنی ملکیت سمجھتے ہیں، چنانچہ خاوند کے فوت ہو جانے کے بعد بھی ان کو آزاد نہیں کیا جاتا۔
- ایسی لڑکیاں تنگ آکر ہمیشہ اپنے والد اور بھائیوں کو بد دعائیں دیتی رہتیں ہیں، جس سے اُن کے خاندانی نظام میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔

اس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ سورہ کی رسم حرام اور ناجائز ہے۔

اہم سوال

اگر سورہ کی رسم ناجائز ہے تو جو لڑکیاں سورہ میں دی جاتی ہیں کیا ان کا نکاح منعقد ہو جائے گا؟ اگر وہ لڑکی نابالغ تھی باپ دادنے سورہ کے رسم کے تحت کسی کے نکاح میں دے دیا تو کیا یہ نکاح منعقد ہو جائے گا؟ کیا بلوغت کے بعد ان کو خیار بلوغ حاصل ہو گا؟ یہ چند اہم سوالات ہیں جو کہ حل طلب ہیں، ان سوالات کے جوابات سے پہلے مسئلہ "سوء الاختیار" کا سمجھنا ضروری ہے لہذا یہاں سوء لاختیار کی وضاحت کی جارہی ہے تا کہ بات بالکل واضح ہو سکے۔

سوء الاختیار کا مطلب

شریعت نے ولی کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے بچوں اور بچیوں کا نکاح کسی مناسب جگہ کر دیں، لیکن اگر بچی یا بچے کا رشتہ طے کرتے ہوئے ولی بچے کی مصلحت سے زیادہ اپنے مفاد اور مطلب کو مقدم کرے اور اُس نکاح میں ولی کی ذاتی لالچ شامل ہو تو اِس کو سوء الاختیار کہتے ہیں۔

سوء الاختیار کب ثابت ہو گا؟

سوء الاختیار کب ثابت ہو گا، کیا اس کے ثبوت کے لیے ولی کا معروف بسوء اختیار ہونا ضروری ہے؟ اور کیا معروف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ایک دفعہ اس طرح کا واقعہ اس سے ثابت ہوا ہو؟

اس بارے میں فقہاء کی دوآراء ہیں ،علامہ شامی کی عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوءاختیار کے ثبوت کے لیے پہلے ایک دفعہ اس ولی کی طرف سے اختیار کا غلط استعمال ہونے کا واقعہ ضروری ہے۔علامہ شامی لکھتے ہیں:

" والحاصل أن المانع هو كون الأب مشهورا بسوء الاختيار قبل العقد فإذا لم يكن مشهورا بذلك ثم زوج بنته من فاسق صح وإن تحقق بذلك أنه سيء الاختيار واشتهر به عند الناس فلو زوج بنتا أخرى من فاسق لم يصح الثاني لأنه كان مشهورا بسوء الاختيار قبله بخلاف العقد الأول لعدم وجود المانع قبله"[21]

حاصل یہ ہے کہ عقد سے پہلے باپ کا مشہور بسوء الاختیار ہونا یہ مانع ہے نکاح کے انعقاد میں ،پس اگر وہ پہلے مشہور نہ تھا پھر اس نے اپنی بیٹی کا نکاح کسی فاسق سے کر دیا تو یہ صحیح ہو گا،اگر اس واقعے سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ سیء الاختیار ہے اور لوگ یہ بات جان لیں ،پھر یہ آدمی اپنی دوسری بیٹی کا نکاح کسی فاسق سے کر دے تو یہ دوسرا نکاح صحیح نہ ہو گا،اس لیے کہ اب وہ دوسرے نکاح سے پہلے ہی سوء اختیار کے ساتھ مشہور ہو چکا ہے۔بخلاف عقد اول کے (وہ صحیح ہو گا) اس لیے کہ اس وقت مانع موجود نہ تھا

علامہ شامی کی اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوءالاختیار کے ثبوت اور تحقق کے لیے ولی کا مشہور اور معروف ہونا ضروری ہے،اور یہ معروف تب ہو گا جب اس ولی سے اپنے اختیارات کے غلط استعمال کرنے کا واقعہ ایک دفعہ پہلے ہوا ہو،علامہ شامی کا کہنا ہے اگر ولی نے پہلی دفعہ کسی فاسق سے لڑکی کا نکاح کر دیا ،اس نکاح میں ولی نے اپنے اختیار کو غلط استعمال کیا ہے تب بھی یہ نکاح منعقد ہو جایئے گا کیونکہ یہ نکاح کراتے ہوئے وہ مشہور بسوءالاختیار نہ تھا،اگر یہی ولی اپنی دوسری لڑکی کا نکاح کسی جگہ کراتا ہے تو یہ درست نہ ہو گا کیونکہ اب وہ معروف بسوءالاختیار ہو چکا ہے،اختیارات کا غلط استعمال وہ پہلے ایک دفعہ کر چکا ہے۔

اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ ولی کا مشہور ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی پہلے ایک دفعہ اس سے واقعے کا ظہور ضروی ہے،یہی وجہ ہے کہ مفتی شفیعؒ نے علامہ شامی کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

یہ تشریح جمہور فقہاء کی تصریحات سے مختلف ہونے کی وجہ سے محل نظر ہے۔[22]

فتاوی ھندیہ کی عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سوءالاختیار کا علم اور معلوم ہونا ہی کافی ہے مشہور اور معروف ہونا اور ولی کی طرف سے ایک واقعہ کا پہلے ظہور ضروری نہیں ہے۔فتاوی ہندیہ میں ہے۔

" إذا عرف ذلك منه فالنكاح باطل إجماعا"[23] اگر ولی کی طرف سے سوءالاختیار معلوم ہو جائے تو نکاح باطل ہو گا

21۔شامی، ، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز (1252ھ)،حاشية ابن عابدين،167/4،دارالمعرفة،1432۔2011

22۔ عثمانی،مفتی شفیع،جواہر الفقہ،313/4،مکتبہ دارالعلوم کراچی،2010

23۔الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند ،الفتاوى الهندية،294/1، دار الفكر، بيروت. 1411ھ - 1991م

یہاں ''عَرِفَ'' کا صیغہ آیا ہے جس کا معنی ہے جاننا، معلوم ہونا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی کی طرف سے سوءالاختیار کا معلوم ہونا ہی کافی، اس کا مشہور ہونا اور اس طرح کا ایک واقعہ کا پہلے ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہاں چند جدید فتاوی نقل کیے جاتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ولی نے لڑکی کے مفاد سے ہٹ کر اپنے مفاد اور ذاتی لالچ کو زیادہ ملحوظ خاطر رکھا ہے، تو یہ اُس کے سوءاختیار کے لیے کافی ہے:

مفتی شفیعؒ لکھتے ہیں: جب واضح طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ باپ نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح پر نظر کئے بغیر کسی لالچ یا اپنے مفاد کے لیے کر دیا ہے تو باپ کا سوءاختیار معروف و غیر مشتبہ ہو گیا[24]

مفتی رشید احمدؒ لدھیانوی لکھتے ہیں:

بطلان نکاح کی علت عدم النظر کا تیقن ہے جس کے لیے سوءالاختیار کا محض تحقق و تیقن کافی ہے معروف بسوءالاختیار کو اس میں منحصر کرنا کہ باپ پہلے بھی کوئی عقد کر چکا ہو نہ کہیں منقول ہے نہ معقول[25]

فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے:

جس لڑکی کا نکاح باپ دادا نے نابالغی میں کر دیا ہو وہ نکاح لازم ہے الّا یہ کہ وہ لڑکی اس وجہ سے نکاح کو پسند نہ کرے کہ باپ دادا نے اس کا نکاح کسی لالچ میں آکر یا لاپرواہی سے کام لے کر یا بد تدبیری کے ساتھ کر دیا ہے، یا ولی اعلانیہ فاسق ہے تو اس کو قاضی کے ذریعے حق تفریق حاصل ہے۔[26]

خلاصہ بحث:

اوپر ذکر کیے گئے فقہاء کے اقوال اور آراء سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سوءالاختیار کے ثبوت کے لیے پہلے سے کسی معاملے میں اس کا تحقق اور پایا جانا ضروری نہیں ہے، بلکہ جس نکاح میں ولی کی ذاتی طمع اور لالچ ثابت ہو جائے اور ولی کے طرز عمل سے یہ بات واضح ہو کہ اس نے لڑکی کے مفاد کا خیال نہیں رکھا، یہی طرز عمل اس کے معروف بسوءالاختیار کے لیے کافی ہے، اب کوہستان میں جو لڑکیاں سورہ کی رسم میں صلح کے طور پر دی جاتی ہیں، اس میں سوءالاختیار کا پایا جانا اظہر من الشمس ہے کیونکہ اس میں ولی صرف اپنی جان بچانے کے لیے لڑکی کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتا ہے، وہ نہ لڑکی کے مفاد کو دیکھتا ہے نہ کُفو کو اور نہ عمر میں برابری کو، لہٰذا سورہ کی رسم میں سوءالاختیار کے پائے جانے میں کوئی شک نہیں ہے، اب سوال ہو گا کہ جب سورہ میں سوءالاختیار پایا گیا تو کیا ان لڑکیوں کا نکاح منعقد ہو گا جو اس رسم کا شکار ہوتی ہیں، یا منعقد نہیں ہو گا۔ اس میں فقہاء کی دو آراء پائی جاتیں ہیں۔

24۔ عثمانی، مفتی شفیع، جواہر الفقہ، ج4، ص314، مکتبہ دارالعلوم کراچی، 1421، 2010

25۔ لدھیانوی، مفتی رشید احمد، احسن الفتاوی، 5/79، ایم ایچ سعید کمپنی، 1425ھ۔

26۔ قاسمی .مجابدالاسلام ،جدیدفقہی مباحث، 12/17، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، 2009

پہلی رائے یہ ہے کہ سوء الاختیار کے ثبوت کے بعد ولی کا کیا ہوا نکاح منعقد ہی نہیں ہو گا، جیسا کہ اوپر مسئلہ سوء الاختیار کے ذیل میں جو عبارتیں ذکر کی گئی ہیں، ان میں اور دیگر فقہاء کی عبارت میں جو مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے، اکثر فقہاء نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں، فالنکاح باطل "لم یصح عقده "فالعقد باطل علی الصحیح "اور لایجوز عقده "ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سوء الاختیار ثابت ہو جائے تو نکاح منعقد ہی نہیں ہو گا، مفتی رشید احمد لدھیانوی کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن مفتی شفیعؒ کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن لڑکی کو خیار فسخ حاصل ہو گا،

مفتی صاحب جواہر الفقہ میں لکھتے ہیں:

"صورت مسئولہ کا صحیح جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اس صورت میں لڑکی کو بوقت بلوغ خیار فسخ حاصل ہو گا، وہ شرعی قاضی یا مسلمان حاکم مجاز کی عدالت میں دعویٰ کرے"[27]

راجح قول:

اس مسئلہ میں اگر کوہستانی معاشرے کو سامنے رکھتے ہوئے سدأ للذرائع کے طور پر عدم انعقاد کا فتوی دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو اس رسم کی دلدل سے نکالا جائے اور لوگوں کے دلوں میں اس رسم کی قباحت اور شناعت بیٹھ سکے، مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں:

"ولی کے بارے میں پہلے سے تو نکاح یا کسی اور معاملے میں اختیارات کے غلط استعمال کا تجربہ سامنے نہ آیا ہو لیکن خود یہ نکاح اس کی کھلی ہوئی نادانی یا بددیانتی کا مظہر ہو، فقہی جزئیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسا نکاح امام یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ خیال ہوتا ہے فی زمانہ یہی نقطہ نظر قرین صواب ہے کیونکہ جب کسی شخص کا سوء اختیار اس کے عمل ہی سے ظاہر ہو تو محض گمان شفقت کو اس پر ترجیح نہیں دی جاسکتی"[28]

27، عثمانی، مفتی شفیع، جواہر الفقہ، 4/313 مکتبہ دارالعلوم کراچی، 1421، 2010۔

28۔ قاسمی، مجاہد الاسلام، جدید فقہی مباحث، 17/353، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، 2009

لڑکی کی پیدائش پر غم منانا

رسم نمبر دو:

کوہستان میں اس رسم کی عملی صورت:

کوہستانی معاشرے میں ایک عجیب رسم ہے، جب کسی گھر میں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو وہاں خوشی کے بجائے غم اور حزن کا اظہار کیا جاتا ہے، خاص کر کسی عورت کے مسلسل دو یا تین لڑکیاں پیدا ہوں تو اس گھر میں ماتم کا سا سماں ہوتا ہے، گھر کی عورتیں رونے لگ جاتی ہیں، اس بچی کی ماں کو منحوس سمجھا جاتا ہے، اسعورت کے ساتھ ایسا رویہ رکھا جاتا ہے جیسے سارا قصور اس عورت کا ہو، پورے گھر میں ایسا ماحول پیدا کیا جاتا ہے کہ وہ عورت اپنے آپ کو قصوروار سمجھنے لگتی ہے، لڑکی کی پیدائش پر خوشی منائی جاتی ہے نہ عقیہ کا اہتمام کیا جاتا ہے، اور نہ ہی عزیز و اقرباء کو مدعو کیا جاتا ہے، لیکن اسی گھر میں اگر لڑکے کی پیدائش ہو جائے تو مسرت اور خوشی کا اہتمام کیا جاتا ہے، عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کو اکھٹا کیا جاتا ہے، جانور ذبح کر کے محلے والوں کو مدعو کیا جاتا ہے، گھر میں عید کا سا سماں ہوتا ہے، چھوٹے بچوں سے لیکر بڑوں تک سب خوشی سے جُھوم اٹھتے ہیں، مگر یہ سب کچھ لڑکی کی پیدائش پر نہیں ہوتا ہے، حالانکہ لڑکی اور لڑکے کا انتخاب اللہ کا کام ہے وہ جسے چاہتا ہے لڑکی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکا دیتا ہے، اس میں انسان کا کوئی کارنامہ اور کردار نہیں ہوتا ہے۔

اسلام سے قبل عرب معاشرہ:

اسلام سے قبل عرب معاشرے میں بھی یہی رواج تھا، عرب کے باسیوں کو بھی لڑکیوں کی پیدائش سے چِڑ تھی، لڑکی کی پیدائش کی خبر سن کر اُن کی پیشانی پر بل پڑ جاتے تھے، قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے اُن کے اِس رسم کی قباحت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ۔يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَى هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ"[29]

اوران میں سے کسی کو بیٹی (پیدائش) کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے، اس بُری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے، سوچتا ہے کہ بیٹی کو اپنے پاس رکھ کر ذلیل ہوتا رہے یا اسے زمین میں گاڑھ دے کیسے برے فیصلے ہیں جو وہ کرتے ہیں

اس آیت کی تفسیر میں علامہ طبری لکھتے ہیں،

29۔النحل۔59,58/16

"وهذا صنيع مشركي العرب، أخبرهم الله تعالى ذكره بخبث صنيعهم فأما المؤمن فهو حقيق أن يرضى بما قسم الله له، وقضاء الله خير من قضاء المرء لنفسه"[30]

مشرکین مکہ کی یہ عادت تھی (لڑکیوں کی پیدائش کو عار سمجھنا) اللہ تعالی نے اُن کی اس بری عادت کا ذکر کیا، اور مؤمن تو اللہ کے تقسیم پر راضی ہوتا ہے، انسان کے لیے اللہ کا فیصلہ بہتر ہے اس کا اپنے لیے خود فیصلہ کرنے سے

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بھی اس قبیح رسم کا شکار تھے وہ بھی لڑکی کی پیدائش پر خوشی کے بجائے غم مناتے تھے، آج کوہستانی معاشرے میں بھی وہی رسم موجود ہے، کوہستان والے آج بھی لڑکی کی پیدائش پر غم مناتے ہیں حالانکہ اسلام نے تو بیٹی کو رحمت قرار دیا ہے، بیٹیوں کی صحیح پرورش کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری دی ہے، جس طرح بیٹے کی پیدائش پر اسلام نے عقیقہ مسنون قرار دیا ہے اسی طرح بیٹی کی پیدائش پر بھی عقیقہ کرنے کو مسنون کہا ہے ۔خود ہمارے پیارے نبی محمد مصطفی ﷺ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا سے کس قدر محبت فرماتے تھے اس کا اندازہ آپ ﷺ کے اس فرمان سے لگایا جاسکتا ہے، آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ کو اپنے دل کا ٹکڑا قرار دیا اور لڑکیوں کی پرورش پر آپ ﷺ نے جہنم سے حفاظت کی خوشخبری سنائی ہے۔

لڑکیوں کی پرورش کی فضیلت:

"عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:من ابتلي بشيء من البنات فصبرعليهن كن له حجابا من النار"[31]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں: جو شخص لڑکیوں کی پرورش سے دوچار ہوا پھر ان کی پرورش سے آنے والی مصیبتوں پر صبر کرے، تو یہ سب لڑکیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ بنیں گی

دوسری حدیث:

"عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:من عال جاريتين دخلت أنا وهو الجنة كهاتينوأشاربأصبعيه"[32]

"حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے دو لڑکیوں کی کفالت کی تو میں اور وہ جنت میں اس طرح داخل ہونگے اور آپ ﷺ نے کیفیت بتانے کے لیے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ کیا"

خلاصہ بحث:

30۔ طبري، محمد بن جرير بن يزيد، [م 310 هـ]، 228/17، طبع مؤسسة الرسالة، 1420 هـ - 2000

31۔ترمذي، محمد بن عيسى ،(279) سنن الترمذي، باب ماجاءفي النفقة على البنات والاخوات، حديث نمبر1913،

32۔ترمذي، محمد بن عيسى ،(279) سنن الترمذي، باب ماجاءفي النفقة على البنات والاخوات، حديث نمبر1914

ان احادیث اور اس طرح کی اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کی پرورش کی بڑی فضیلت ہے، وہ بیٹیاں جن کو ہم بوجھ سمجھتے ہیں، جن کی پیدائش پر ہم مغموم ہو جاتے ہیں، جن کی پیدائش کی خبر سن کر ہم غصے سے لال پیلے ہو جاتے ہیں، جن کو ہم رحمت کے بجائے زحمت سمجھتے ہیں کل قیامت کے دن یہی بیٹیاں ہمارے لیے جہنم کے آگئے ڈھال بن جائیں گی، جب روز محشر جنت اور جہنم کا فیصلہ ہو گا اس وقت آپ ﷺ کی رفاقت اور ساتھ ان لوگوں کو نصیب ہو گا جو اپنی بیٹیوں کی اچھی تربیت کرتے ہیں، ان کے نان نفقے کا خیال رکھتے ہیں اور ان کو اپنے اوپر بوجھ نہیں سمجھتے ہیں، اس لیے بیٹیوں کو بوجھ نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ ان کو اپنے لیے اللہ کی رحمت اور نعمت سمجھ کر ان کو بخوشی قبول کر کے ان کی اچھی تربیت اور تعلیم کی طرف توجہ دینا چاہیے، کوہستانی معاشرے میں مروج یہ رسم وہی ہے جو مشرکین مکہ میں تھی جس کو اسلام نے ختم کیا ہے اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اس رسم کو چھوڑ دیں۔

وٹہ سٹہ کی شرعی حیثیت

رسم نمبر3

کوہستان میں اس رسم کی عملی صورت:

وٹہ سٹہ کامطلب یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی دوسرے کواس شرط پر دے کہ دوسرا شخص بدلے میں اپنی بیٹی یابہن کارشتہ اس سے یااس کے بیٹے سے کرواے گا،اس میں ہر لڑکی کامہر بھی مقرر کیاجاتاہے اس کو کوہستانی زبان میں" بَدْلِیْ "اردومیں وٹہ سٹہ کہاجاتاہے۔کوہستان میں اس کی مختلف صورتیں مروج ہیں ،اگر دونوں طرف کی لڑکیاں عمر میں برابر ہوں تو دونوں میں بدلی کردی جاتی ہے لیکن اگر ایک طرف لڑکی بڑی ہواور دوسری طرف لڑکی چھوٹی ہوتو اس بڑی لڑکی کے عوض دولڑکیاں دی جاتی ہیں، کبھی کبھی تو تین تین لڑکیاں ایک کے بدلے میں دی جاتی ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتاہے اگر ایک لڑکی بڑی ہواور دوسری طرف کی لڑکی چھوٹی ہوتو بدلے میں لاکھ دولاکھ روپے بھی دے جاتے ہیں،ان تمام صورتوں میں معاملات طے کرتے وقت مہر کاذکر کہیں بھی نہیں ہوتا البتہ نکاح پڑھاتے وقت رسماًخانہ پری کے طور پر مہر کاذکر کیاجاتاہے،نتیجے کے اعتبار سے بھی ان لڑکیوں کوایک دوسرے کے بدلے میں ہی تصور کیاجاتاہے یہی وجہ ہے اگر ایک لڑکی کوگھر میں ڈانٹ پڑتی ہے تواس کے بدلے میں دوسری لڑکی کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیاجاتاہے،یہاں تک اگر ایک کوطلاق ہوجائے تواس کے بدلے میں جو لڑکی دی گئی ہے اسے بھی طلاق دی جاتی ہے۔

وٹہ سٹہ کاشرعی حکم:

یہاں پر ایک اہم سوال ہوتاہے کیانکاح شغار اور وٹہ سٹہ میں کوئی فرق ہے یادونوں ایک چیز ہیں،اس سوال کو حل کرنے سے پہلے نکاح شغار کی وضاحت ضروری ہے،

نکاح شغار

شغار کالغوی معنی"خالی،جس میں کوئی چیز نہ ہو"[33] اور نکاح شغار کوشغار اسی لیے کہتے ہیں کہ اس میں جن لڑکیوں کانکاح کیاجاتاہے وہ مہر سے خالی ہوتی ہیں

33۔ قاسمی،وحیدالزمان،القاموس الوحید،ص871،ادارہ اسلامیات لاھور،2001،1422

نکاح شغار کی اصطلاحی تعریف خود حدیث میں آئی ہے۔" قال حدثني نافع عن عبد الله رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الشغار. قلت لنافع ما الشغار؟ قال ينكح ابنة الرجل وينكحه ابنته بغير صداق وينكح أخت الرجل وينكحه أخته بغير صداق"[34] "عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شغار سے منع فرمایا ہے، میں نے نافع سے پوچھا شغار کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ کوئی شخص بغیر مہر کسی کی بیٹی سے نکاح کرتا ہے اور اپنی بیٹی سے اس کا نکاح بغیر مہر کے کراتا ہے"

دوسری حدیث

"عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الشغار. والشغار أن يزوج الرجل ابنته على ان يزوجه الاخر ابنته ليس بينهما صداق"

رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے شغار سے اور شغار ایک آدمی اپنی بیٹی کا نکاح دوسرے سے اس شرط پر کرائے کہ دوسر آدمی اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کروائے گا، اور ان دونوں کا مہر نہ ہو گا

اس حدیث سے میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح شغار میں دو چیزیں ہوتی ہیں،

1۔۔۔ایک طرف سے لڑکی اس شرط پر دی جاتی ہے کہ دوسری طرف سے بھی اسے لڑکی دی جائے، یعنی ایک کا نکاح مشروط ہوتا ہے دوسرے کے نکاح پر۔

2۔۔۔دوسری چیز یہ ہے کہ نکاح شغار میں مہر مقرر نہیں ہوتا ہے، مہر کے بغیر نکاح کیا جاتا ہے۔

کیا نکاح شغار اور وٹہ سٹہ میں فرق ہے؟

اگر ہم وٹہ سٹہ اور نکاح شغار کا موازنہ کریں تو نکاح شغار کی جو تعریف حدیث میں آئی ہے اس کا پہلا حصہ " والشغار أن يزوج الرجل ابنته على ان يزوجه الاخر ابنته" وٹہ سٹہ پر صادق آتا ہے، کیونکہ جس طرح نکاح شغار میں یہ شرط رکھی جاتی ہے تم اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کرادو میں بھی اپنی بیٹی تمہیں دوں گا یہی شرط وٹہ سٹہ میں بھی لگائی جاتی ہے، حدیث کا دوسرا حصہ ہے "ليس بينهما صداق" حدیث کا یہ حصہ وٹہ سٹہ پر صادق نہیں آتا کیونکہ وٹہ سٹہ میں رسماً مہر مقرر کی جاتی ہے، معلوم ہوا کہ نکاح شغار کی تعریف کلی طور پر وٹہ سٹہ پر صادق نہیں آتی، اس لیے ہم حکماً اس کو نکاح شغار نہیں کہہ سکتے ہیں، لیکن نتیجہ اور انجام کے اعتبار سے یہ شغار ہی کی طرح ہے، یہی وجہ ہے علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مہر مقرر کرنے کے بعد بھی اس میں کراہت رہتی ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

34۔ البخاري ، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم (256ھ)الجامع الصحيح،باب الحيلة فى النكاح،حديث نمبر6960

" أنه إذا حمل النهي على معنى الفساد فكونه غير منهي الآن أي بعد إيجاب مهر المثل مسلم وإن حمل على معنى الكراهة فالنهي باق فافهم"[35]"اگر نہی کو فساد کے معنی پر محمول کیا جائے تو مہر مثل لازم کرنے کے بعد اب یہ (نکاح شغار) غیر منہی عنہ ہو گا اور اگر اس کو کراہت کے معنی پر محمول کریں گے تو نہی اب باقی ہو گی، اس کو سمجھو"

علامہ شامی اس عبارت میں کہتے ہیں کہ حدیث میں نکاح شغار کی جو نہی آئی ہے اگر اس نہی سے فساد نکاح مراد ہو تو مہر مثل مقرر ہونے کے بعد اب یہ نہی باقی نہیں رہی تو نکاح درست ہو گا، لیکن اگر اس نہی کو کراہت کے معنی پر محمول کریں تو مہر مقرر کرنے کے بعد بھی کراہت باقی رہے گی، یعنی دو لڑکیوں کا جب ایک دوسرے کے بدلے میں نکاح کیا جارہا ہو اگرچہ بعد میں ان کا مہر مقرر کر بھی دیا جائے پھر بھی اس نکاح میں کراہت باقی رہے گی، علامہ شامی کی اس عبارت سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ کوہستان میں جو وٹہ سٹہ کا نکاح ہے اس میں اگرچہ مہر مقرر کیا جاتا ہے مگر کراہت اب بھی باقی رہے گی۔ جدید فتاوی سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے چنانچہ مفتی محمودؒ لکھتے ہیں۔

"تبادلے کے نکاح سے احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے، اگرچہ ایسے نکاح ہو جاتے ہیں مگر بسا اوقات ان میں بڑے مفاسد مضمر ہوتے ہیں۔ لڑکیوں کے تبادلے والے نکاح سے احتراز کریں"[36]

مفتی مصباح الرحمن یوسفی لکھتے ہیں

"یہ رسم آج بھی ہمارے معاشرے میں موجود ہے، دو لڑکیوں کا نکاح اس طرح ہوتا ہے کہ کہ در حقیقت ایک دوسرے کے بدلے میں بیاہی جاتی ہیں، بظاہر رسمی طور پر حق مہر کا ذکر ہوتا ہے"[37]

خلاصہ بحث و نتائج

وٹہ سٹہ اگرچہ حکماً نکاح کے شغار میں داخل نہیں ہے لیکن یہ کراہت سے خالی بھی نہیں ہے، اس کے فوائد کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔

اس رسم کی کراہت کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

- عموماً وٹہ سٹہ میں لڑکی کا خیال نہیں رکھا جاتا، مرد اپنا مقصد حل ہوتا دیکھ کر لڑکی دے دیتے ہیں وہ لڑکی ساری عمر مشکلات سے دوچار ہوتی ہیں۔
- وٹہ سٹہ میں اگر ایک لڑکی کے نشوز کی وجہ سے اسے طلاق مل جائے تو اس کے بدلے میں جو لڑکی دی گئی ہے اسے بھی طلاق دی جاتی ہے جس سے ایک ہنستا بستا گھر اجڑ جاتا ہے
- اگر ایک لڑکی کو اس کے کرتوت کی وجہ سے ڈانٹ پڑ جائے تو رد عمل کے طور پر دوسری لڑکی جو بے قصور ہوتی ہے اسے بھی ڈانٹ پڑتی ہے، جس کی وجہ سے گھر میں ناچاقی اور چپقلش کی سی فضا بن جاتی ہے۔

35۔ شامی، ابن عابدین، محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز (1252ھ)، حاشیة ابن عابدین، ج4، ص228، دار المعرفة، 1432۔2011

36۔ محمود ،مفتی محمود، فتاوی مفتی محمود، 244/4، جمیعة پبلیشرز، 2008

37۔ مصباح الرحمن یوسفی، فقہی مسائل، ص386، دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد، 2013

- لوگوں کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس کو بیع ہی سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک لڑکی کے عوض دو، تین لڑکیاں دی جاتی ہیں، اگر بدلے میں لڑکی نہ دے تو کہا جاتا ہے اس نے فی سبیل اللہ لڑکی دی ہے کچھ بھی نہیں لیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس کو بیع اور نکاح بالعوض ہی سمجھتے ہیں، لہذہ بہتر یہ ہے کہ وٹہ سٹہ سے بچا جائے۔

بالغ لڑکیوں کا ان کے رضامندی کے بغیر شادی کرنا

رسم نمبر4

کوہستان میں اس رسم کی عملی صورت:

کوہستانی معاشرے میں نکاح کے معاملے میں لڑکی کی رائے اور اجازت کی بالکل اہمیت نہیں ہے باپ، دادا، بھائی اور چاچا اپنی مرضی سے جہاں چاہے رشتہ طے کر دیتے ہیں، اگر لڑکی کو یہ رشتہ پسند نہ ہو تب بھی وہ کچھ کہ نہیں سکتی ہے، اس کے منہ پر رسومات اور خود ساختہ شرم وحیا کے تالے لگے ہوتے ہیں، خبر ملتے ہی وہ چیختی چلاتی ہے مگر باپ اور بھائیوں کی عزت کا خیال اور برادری کے طعنوں کے ڈر سے وہ خاموش رہتی ہے، مَن ہی مَن میں اس کا دم گھٹ رہا ہوتا ہے، کوہستانی معاشرے میں باپ، دادا اور بھائی کا فیصلہ آخری سمجھا جاتا ہے وہ جہاں چاہیں جس کو چاہیں رشتہ دے سکتے ہیں، عموماً باپ اپنی بیٹی کے بدلے اپنے بیٹے یا بھائی کے لئے رشتہ ڈھونتاس لیے جب دوسری طرف سے لڑکی اچھی مل رہی ہو اور انکا مقصد حل ہو رہا ہو تو اپنی بیٹی کے مستقبل کا خیال رکھے بغیر بے سوچ اور فکر وہ رشتہ کر دیتے ہیں۔

اسی طرح کوہستانی معاشرے میں لڑکی خود اپنے لیے رشتہ پسند نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس بارے میں اپنی رائے بیان کر سکتی ہے۔

نکاح ایک مقدس رشتہ:

نکاح ایک مقدس رشتہ ہے، اس کے ذریعے دو جسم ایک جان بن جاتے ہیں، میاں بیوی کا رشتہ ایک منٹ، گھنٹہ یا مہینے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ ان دونوں نے ساری زندگی ایک ساتھ گزارنی ہوتی ہے، یہ دونوں ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی ہوتے ہیں، ایک خوشگوار اور پر سکون زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ نکاح کرتے ہوئے باہمی مشاورت سے نکاح کیا جائے، اگر لڑکی بالغ ہے تو شادی سے پہلے ان کی مرضی اور رائے معلوم کی جائے، اسی طرح لڑکے والوں کو بھی لڑکے سے مشورہ کر کے رشتہ طے کرنا چاہیے، اکثر ہوتا یہ ہے کہ لڑکی اور لڑکے سے پوچھے بنا رشتہ طے کیا جاتا ہے اور شادی کے بعد پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں کے مزاج میں فرق ہے اور دونوں میں زہنی ہم آہنگی نہیں ہے، نکاح کے بعد لڑکی کی ساری زندگی یوں ہی دکھوں میں گزر جاتی ہے یا بات طلاق تک پہنچ جاتی ہے جس سے دونوں

خاندانوں میں نفرت اور عداوت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اسی لیے شریعت اسلامی نے بالغ لڑکی کو اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے لیے خود جیون کا انتخاب کرے۔

یہاں پر مندجہ ذیل سوالات حل طلب ہیں۔

- کیا عاقل بالغ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر کرنا جائز ہے؟
- اگر عاقل بالغ لڑکی خود اپنا نکاح کرتی ہے تو اس کا کیا ہوا نکاح منعقد ہو گا یا نہیں؟

ان دو سوالات کے جوابات سے پہلے ولایت کی مختصر بحث بیان کی جاتی ہے تاکہ بات کا سمجھنا آسان ہو سکے۔

۔نوٹ۔ولایت کی تفصیلی بحث کتب فقہ میں موجود ہے اس لیے یہاں تفصیل بیان کرنا تحصیل حاصل ہو گا، یہاں صرف احناف کے نقطہ نظر کی روشنی میں ولایت کی مختصر بحث بیان کی جائے گی۔

ولایت کی لغوی واصطلاحی تشریح

ولایت کی لغوی واصطلاحی تحقیق:

ولایت مصدر کا صیغہ ہے اس کا لغوی معنی والی ہونا، متصرف ہونا، مدد کرنا ہے۔[38]

اصطلاح میں ولایت کہتے ہیں "تنفیذ القول علی الغیر"[39] "کسی دوسرے پر اپنی بات نافذ کرنا"

ولایت کی قسمیں:

ولایت کی ابتداً دو قسمیں ہیں، ولایت فی النفس۔ولایت فی المال۔ نفس پر ولایت سے مراد ولایت نکاح ہے، ولایت نکاح کے دو درجے ہیں۔ولایت اجبار اور ولایت ندب

ولایت اجبار:

ولایت اجبار سے مراد ایسا اختیار جو دوسرے کی اجازت پر موقوف نہ ہو۔ولایت اجبار باپ اور دادا کو نابالغ اور مجنون پر حاصل ہوتا ہے۔

38-ابوالفضل،عبدالحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، ص925، مکتبہ قدسیہ لاہور، 1999

39- شامی، ابن عابدین، محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز عا(1252ھ)، حاشیة ابن عابدین، 148/4، دار المعرفة، 1432۔2011

ولایت ندب:

ولایت ندب سے مراد ایسی ولایت جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف ہو، یہ ولایت ولی کو اپنے عاقل بالغ بچوں پر حاصل ہوتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے ولی کو نابالغ پر ولایت اجبار حاصل ہے وہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرا سکتا ہیں، لیکن اگر لڑکی بالغ ہو تو پھر ولی کو ولایت اجبار حاصل نہ ہو گا بلکہ ولایت ندب حاصل ہو گا، اب ان کا کیا ہوا نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف ہو گا۔ اس تفصیل کے بعد اب سوال کے جواب کی طرف آتے ہیں۔

کیا لڑکی اپنا نکاح خود کر سکتی ہے؟

احناف کے نزیک عاقلہ بالغہ لڑکی اپنا نکاح خود کر سکتی ہے، عاقلہ بالغہ لڑکی کا کیا ہوا نکاح نافذ ہو جائے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ نکاح کُف میں کیا ہو، اگر لڑکی نے نکاح غیر کُف میں کیا تو کیا نکاح منعقد ہو گا یا نہیں اس میں امام صاحبؒ سے دو آرا منقول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ نکاح منعقد ہو جائے گا مگر اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہو گا وہ قاضی کی عدالت میں جا کر نکاح فسخ کروا سکتے ہیں، امام صاحب کی دوسری روایت امام حسنؒ سے منقول ہے کہ غیر کُف میں نکاح منعقد ہی نہیں ہو گا۔

درالمختار میں ہے: "وَلَهَأَيْ لِلْوَلِيِّ الِاعْتِرَاضُ فِي غَيْرِ الْكُفْءِفَيَفْسَخُهُ الْقَاضِي وَيُفْتَى فِي غَيْرِ الْكُفْءِ،بِعَدَمِ جَوَازِهِ أَصْلًا وَهُوَ الْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى لِفَسَادِ الزَّمَانِ"[40]

ولی کو غیر کف میں اعتراض کا حق حاصل ہے، پس قاضی نکاح فسخ کر دے۔ اور فساد زمانہ کی وجہ سے غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے گا۔ یہی مختار اور راجح ہے فتوی کے لیے

اس عبارت کے نیچے علامہ شامی نے شمس الائمہ کا قول نقل کیا ہے۔ "قال شمس الائمہھذااقرب الی الاحتیاط" شمس الائمہ فرماتے ہیں یہ رائے (عدم انعقاد) زیادہ قریب ہے احتیاط کے۔

ابن نجیمؒ نے بھی بحر الرائق میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ "والمختارللفتوی فی زماننارو ایة الحسن"[41]

ان عبارت سے مفتی بہ قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر غیر کف میں نکاح کرے تو منعقد ہی نہیں ہو گا، اگر عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کُف میں نکاح کرتی ہے تو احناف کے نزدیک منعقد ہو جائے گا لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر عورت کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، ائمہ ثلاثہ کے دلائل فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں اس لیے ان کو یہاں نہیں دہرایا جائے گا، چونکہ کوہستان میں سارے لوگ فقہ حنفی کے ہی پیروکار ہیں اس لیے صرف فقہ حنفی کی روشنی میں اس مسئلے کے دلائل اور وضاحت کی جائے گی۔

40- ابن عابدين، محمد أمين بن عمر (1252ھ)، حاشية ابن عابدين، 152,151,150/4، دارالمعرفة، 1432۔2011

41۔ ابن نجيم، زين الدين بن ابراہيم بن محمد، (970ھ) البحرالرائق، 194/3 دارالكتب العلمية بيروت، 1418، 1997۔

احناف کے دلائل:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ"[42]

"پھر اگر شوہر (تیسری) طلاق دیدے تو وہ (مطلقہ عورت) اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے، ہاں اگر وہ (دوسرا شوہر بھی) اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پاس (نیا نکاح کر کے) دوبارہ واپس آجائیں، بشرطیکہ انہیں یہ غالب گمان ہو کہ اب وہ اللہ کے حدود قائم رکھیں گے اور یہ سب اللہ کے حدود ہیں جو وہ ان لوگوں کے لیے واضح کر رہا ہے جو سمجھ رکھتے ہوں"

اس آیت میں "تنکح " مؤنث کا صیغہ استعمال ہوا ہے اس میں نکاح کی اضافت عورت کی طرف ہوئی ہے یہ وہ عورت نکاح کرے تو معلوم ہوا کہ عورت خود اپنا نکاح کر سکتی ہے۔

دوسری دلیل:

عن ابن عباس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:الأيم أحق بنفسها من وليها، والبكر تستأذن في نفسها، وإذنها صماتها"[43]

"ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ، آپ ﷺ نے فرمایا، ثیبہ عورت اپنے آپ پر اپنے ولی سے زیادہ استحقاق رکھتی ہے اور کنواری سے بھی اجازت طلب کی جائے گی اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے"

اس حدیث میں کہا گیا کہ ثیبہ عورت اپنے نفس اور نکاح کی زیادہ حقدار ہے ولی سے، اس سے معلوم ہوا کہ عورت خود اپنا نکاح کر سکتی ہے۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

"وینعقد نکاح الحرة العاقلة برضاهاوان لم یعقدعلیهاولی "[44]

آزاد عاقلہ لڑکی کا نکاح منعقد ہو جائے گا اس کی رضامندی سے اگرچہ ولی عقد قبول نہ کرے۔

بحر الرائق میں ہے:

"نفذ نکاح حرة مکلفة بلاولیلأنهاتصرفت فی خالص حقهاوهی من اهله لکونهاعاقلة بالغة"[45]

42۔البقرة،230

43-ترمذي، محمد بن عيسى ،(م279) سنن الترمذي،، حديث نمبر1108

44-مرغینانی،امام برہان الدین ابی الحسن علی،(م593)،الهدایة،27/3،مکتبة البشری کراچی،1432،2011

45۔نسفی،الامام البرکات عبدالله بن احمدبن،(م710)،البحرالرئق،193/3،دارالکتب العلمیة بیروت،1997،1418

آزاد مکلف عورت کا نکاح ولی کے بغیر منعقد ہو جائے گا، اس لیے کہ اس نے اپنے حق میں تصرف کیا ہے اور وہ عاقل، بالغ ہونے کی وجہ سے اس تصرف کی اہل بھی ہے۔

درالمختار میں ہے: "فنفذ نكاح حرة مكلفة بلارضاولی "[46]

آزاد اور مکلف عورت کا نکاح بغیر ولی کی رضامندی کے نافذ ہو جائے گا۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بالغ عاقل لڑکی خود اپنا نکاح کر سکتی ہے اگرچہ ولی اس پر راضی نہ ہو شریعت نے ان کو یہ حق دیا ہے لیکن ہمارے کوہستانی معاشرے میں لڑکی اگر خود سے شادی کرتی ہے یا اپنے لیے کوئی لڑکا پسند کرتی ہے، اسے مجرم اور چور کہ کر قتل کر دیا جاتا ہے۔

کیا عاقل، بالغ لڑکی کی اجازت کے بغیر ولی نکاح کرا سکتا ہے:

ولی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر خود کر دے، اگر ولی نے ایسا کیا تو لڑکی کو اختیار حاصل ہے کہ اس نکاح کو فسخ کر دے، آپ ﷺ کے دور میں ایک واقعہ پیش آیا تھا جس میں لڑکی کو فسخ کا اختیار دیا تھا۔

"عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: جَاءَتْ فَتَاةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: " إِنَّ أَبِي زَوَّجَنِي ابْنَ أَخِيهِ، لِيَرْفَعَ بِي خَسِيسَتَهُ، قَالَ: فَجَعَلَ الْأَمْرَ إِلَيْهَا، فَقَالَتْ: قَدْ أَجَزْتُ مَا صَنَعَ أَبِي، وَلَكِنْ أَرَدْتُ أَنْ تَعْلَمَ النِّسَاءُ أَنْ لَيْسَ إِلَى الْآبَاءِ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ "[47]

ایک نوجوان عورت نبی ﷺ کے پاس آئی عرض کیا: میرے والد نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے، تاکہ میری وجہ سے اس کی ذلت ختم ہو جائے، نبی کریم ﷺ نے اس لڑکی کو اختیار دے دیا تو اس نے کہا: میرے والد نے جو کیا میں نے اسے مان لیا لیکن میرا مقصد یہ تھا کہ عورتوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے باپوں کو ان پر (جبراً نکاح کر دینے) کا اختیار نہیں پہنچتا ہے۔

اس حدیث سے ہوتا ہے کہ والد جو کہ بیٹی کا سب سے قریبی ولی ہے اس کو بھی اختیار نہیں ہے کہ لڑکی کی اجازت کے بغیر کہیں اس کا نکاح کرا دے، کیونکہ یہ عورت آپ ﷺ کے پاس شکایت لیکر گئی اور آپ ﷺ نے اس کو اختیار دیا کہ نکاح رد کر سکتی ہے، اور پھر اس عورت کی یہ بات کہ میں صرف یہ بات ثابت کرنا چاہتی تھی کہ والدین کو یہ اختیار نہیں کہ وہ جبراً ان کا نکاح کہیں کر دے اور آپ ﷺ کا یہ بات سننے کے بعد خاموش رہنا گویا اس عورت کی بات کی تصدیق ہے، کوہستان والوں کو اس حدیث میں غور و فکر کرنا چاہیے، آپ ﷺ کی ان تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے، مفتی کفایت اللہ صاحب نے بھی یہی بات لکھی ہے:

46- شامی، ابن عابدین، محمد أمین بن عمربن عبد العزیز (م1252ھ)، حاشیة ابن عابدین، 150/4، دارالمعرفة، 1432-2011

47- سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، حدیث نمبر 1874

کسی عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے، اگر اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح باپ نے کسی جگہ کر دیا تو نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔[48]

خلاصہ بحث و نتائج:

اس ساری بحث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک یہ کہ کہ ولی کو عاقلہ بالغہ پر ولایت ندب حاصل ہے ولایت اجبار نہیں، اس لیے لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا کیا ہوا نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف ہو گا، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عاقل بالغ لڑکی خود اپنا نکاح کر سکتی ہے اور یہ نکاح ولی کی اجازت اور رضا پر موقوف نہیں ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ نکاح باہم مشورے سے ہو، لڑکی کو چاہیے کہ وہ اولیاء کے تجربے اور رائے کا خیال رکھے اور اولیاء کو چاہیے کہ وہ اپنا فیصلہ مسلط کرنے کے بجائے لڑکی سے صلاح اور مشورہ کر کے اس کی رضامندی معلوم کرے، جب باہم مشورہ سے رشتے طے ہوں گے تو وہ دیرپا اور اچھے ہونگے، ہمارے کوہستانی معاشرے میں زیادتی اور ناانصافی والدین کی طرف سے ہوتی ہے وہ بچی سے بلکل مشورہ نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی رائے معلوم کرتے ہیں، یہ طریقہ نہ صرف اسلام کے بنیادی قوانین کے خلاف ہے بلکہ انسانی فطرت کے بھی خلاف ہے، اس لیے ہمیں اپنے رویوں اور طریقوں میں غور کرنا چاہیے اور روایتی جدراہٹ اور غیرت کے گردن کو شریعت محمدی ﷺ کے سامنے جھکا دینا چاہیے۔

48-دھیلوی، کفایت المفتی، 5/52، دارالاشاعت کراچی، 2001

مہر سے متعلق رسومات

رسم نمبر5

کوہستان میں اس رسم کی عملی صورتیں:

کوہستانی معاشرے میں مہر کے متعلق دو طرح کے طرز عمل پائے جاتے ہیں، ایک یہ کہ والدین اور اولیاء مہر کے نام پر لڑکے والوں سے پیسے وصول کرتے ہیں جس کو کوہستانی زبان میں "ژَپْ" کہا جاتا ہے، یہ رقم لاکھوں میں ہوتی ہے اس رقم کو لڑکی کے اولیاء اپنی ملکیت اور حق سمجھ کر خود ہی ہڑپ کر جاتے ہیں، اس رقم میں سے لڑکی کو کچھ نہیں دیتے البتہ بعض لوگ ان پیسوں میں سے کچھ رقم سے لڑکی کے لیے جہیز کا سامان خریدتے ہیں، لڑکی کی رخصتی اس وقت تک نہیں کی جاتی جب تک لڑکے والے یہ رقم ادا نہیں کرتے۔ مہر سے متعلق کوہستان میں دوسرا طرز عمل یہ ہے کہ شوہر کے زمہجو مہر لازم ہوتی ہے عموماً شوہر اس کو ادا نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی اس کو ادا کرنا لازم سمجھتے ہیں۔ میں نے خود کئی بڑی عمر کے لوگوں سے مہر کے ادا کرنے کے متعلق پوچھا انہوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ ہم نے ابھی تک مہر ادا نہیں کی اور نہ ہی ادا کرنے کے بارے میں سوچا ہے۔

مہر لازم کرنے کا مقصد:

اسلام نے میاں بیوی کے رشتے کو باعزت رشتہ قرار دیا ہے اور یہ رشتہ نکاح کے ذریعے منعقد ہو جاتا ہے، نکاح ہو جانے کے بعد ایک عورت اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نیے گھر میں نیے لوگوں میں جا بستی ہے، وہ شوہر کے لیے اپنی ماں، باپ اور بہن بھائی سب کو الوداع کہتی ہے، اسی لیے شریعت نے اس کی دلجوئی کے لیے شوہر پر مہر مقرر کیا ہے اور یہ حکم دیا ہے جب بیوی شوہر کے گھر آجائے تو شوہر بطور تحفہ اس کو مہر ادا کرے جس سے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا، اسی طرح مہر کا ایک مقصد یہ ہے کہ شوہر بیوی کو مفت کا مال نہ سمجھے کہ جب چاہیے رکھے اور جب چاہیے چھوڑ دے، جب شوہر عورت کے بدلے مہر کی صورت میں خطیر رقم ادا کرے گا تو اس کو ہلکا نہیں سمجھے گا جب اس کے ذہن میں یہ بات ہو گی کہ یہ مفت نہیں ملی بلکہ اس کے بدلے میں اس نے رقم ادا کی ہے تو اس کو طلاق دینے سے بھی باز رہے گا اور اس کے دل میں اس رشتے کی قدر بھی ہو گی کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے وہ مفت کی چیز کی قدر نہیں کرتا ہے۔

مہر کا وجوب قرآن سے:

سورۃ النساء میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔"و آتوا النساء صدقاتهن نحلة فإن طبن لكم عن شيء منه نفسا فكلوه هنيئا مريئا"[49]

"اور عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے دیا کرو ہاں اگر وہ خود اس کا کچھ حصہ خوش دلی سے چھوڑ دیں تو اسے خوشگواری اور مزے سے کھاو"

49-النساء-4/4

علامہ قرطبیؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:" هذه الآية تدل على وجوب الصداق للمرأة،وهو مجمع عليه"[50] یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کا مہر واجب ہے اور اس مسئلہ پر اجماع اور اتفاق ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مہر خاوند پر لازم ہے، اس کا ادا کرنا خاوند پر قرض کی طرح واجب ہے، یہاں تک کہ فقہانے لکھا ہے اگر خاوند فوت ہو جائے اور اس نے مہر ادا نہیں کی تھی تو خاوند کے ترکہ سے مہر ادا کی جائے گی، اگر خاوند اور بیوی دونوں اس حال میں فوت ہو جائیں کہ شوہر نے مہر ادا نہیں کی تھی تو لڑکی کے ورثا مطالبہ کریں گے کہ ترکہ میں سے مہر ادا کیا جائے، چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں

" وإذا مات الزوجان وقد سمى لها مهرا فلورثتها أن يأخذوا ذلك من ميراث الزوج"[51]

اگر میاں بیوی دونوں فوت ہو گئے اور ان کے لیے مہر مقرر تھا تو ورثا کو یہ حق حاصل ہے کہ شوہر کی میراث سے یہ مہر وصول کریں۔ صاحب ہدایہ نے دوسری جگہ لکھا ہے" المهر واجب شرعا" کہ مہر شرعاً واجب ہے،

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مہر کے وجوب کے بارے میں لکھتے ہیں: بیوی کا مہر اس طرح واجب جیسے کہ دین۔[52]

مولانا یوسف لدھانوی لکھتے ہیں: عورتوں کا مہر شوہر کے ذمے قرض ہے بس اگر شوہر کوئی چیز چھوڑ کر مرے اس سے یہ قرض ادا کیا جائے گا۔[53]

خلاصہ بحث اور نتائج

مذکورہ بالہ قرآن کی آیت اور فقہا کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ مہر خاوند پر واجب ہے، مہر اس طرح لازم ہے جس طرح قرض لازم ہوتا ہے اس لیے اس کا ادا کرنا خاوند پر ضروری ہے، ہمارے کوہستانی معاشرے میں شوہر مہر ادا نہیں کرتے ہیں، ان کے ہاں مہر کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، حالانکہ جس طرح قرض ادا کرنا لازم ہے اسی طرح مہر کا ادا کرنا بھی لازم ہے، اس لیے علماء کی زمداری بنتی ہے کہ لوگوں کو اس سے آگاہ کریں، مہر کی اہمیت اور وجوب کا حکم لوگوں کے سامنے بیان کریں۔

50-قرطبي ، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر (م671)الجامع لأحكام القرآن،24/5، دار الكتب المصرية،1384، 1964۔

51-مرغيناني ،علي بن أبي بكر بن (593ھ)،الهداية في شرح بداية المبتدي،88/3،مكتبه البشرى كراچی،1432،2011۔

52-رحمانی،خالد سیف اللہ،کتاب الفتوی،4/389،زمزم پبلشرز،2008

53-لدھیانوی،یوسف، آپ کے مسائل اور ان کا حل،6/299،مکتبہ لدھیانوی،2011

ژپ یعنی مہر سے زیادہ رقم لینے کا حکم:

کوہستانی معاشرے میں ایک رسم جو دن بدن بڑھتی جاری ہے کہ لوگ مہر سے ہٹ کر زائد پیسے لڑکے والوں پر مقرر کرتے ہیں جس کو کوہستانی معاشرے میں "ژپ" کہا جاتا ہے جو عموماً لاکھوں میں ہوتی ہے، یہ رقم لڑکی کا باپ، بھائی یا چچا خود کھاتے ہیں، اس میں لڑکی کو کچھ بھی نہیں دیا جاتا ہے۔

اسلام سے قبل عرب معاشرہ:

اسلام سے قبل عرب معاشرے میں بھی یہی رواج عام تھا، لڑکی کے اولیاء مہر کے نام سے رقم وصول کر کے خود کھاتے تھے سورۃ النساء میں اللہ رب العزت نے اس رسم کی رد میں فرمایا ہے: ""فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً "[54]

چنانچہ جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے لطف اٹھایا ہو ان کو ان کا وہ مہر ادا کرو جو مقرر کیا گیا ہو۔

اس آیت کے شان نزول میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

"وقيل: الخطاب للأولياء، قاله أبو صالح. وكان الولي يأخذ مهر المرأة ولا يعطيها شيئا، فنهوا عن ذلك وأمروا أن يدفعوا ذلك إليهن "[55] "اور کہا گیا ہے کہ یہ خطاب اولیاء کو ہے، ابو صالح کہتے ہیں کہ ولی عورت کا مہر لے لیتا تھے اور اس کو کچھ بھی نہیں دیتے، ایسا کرنے سے ان کو منع کیا گیا اور ان کو یہ حکم دیا گیا کہ یہ مہر ان کو دے دو"

فقہا نے لکھا ہے کہ کہ لڑکی والوں کا لڑکے والوں سے مہر سے زائد رقم وصول کرنا رشوت میں آتا ہے اس لیے یہ رقم لینا حرام ہے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

" ومن السحت ما يأخذه الصهر من الختن بسبب بنته بطيب نفسه حتى لو كان بطلبه يرجع الختن به"[56]

یہ بات رشوت میں شامل ہے کہ لڑکی والے اپنی بیٹی کی وجہ سے لڑکے والوں سے رقم لیں اگرچہ لڑکے والے خوشی اور طیب نفس سے وہ رقم ادا کریں، اگر اس کا مطالبہ کر کے لیا ہو تو لڑکے والے واپسی کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

دوسری جگہ لکھا ہے: "اخذ اهل المرأة شيأ عند التسليم فلزوج ان يسترده لانه رشوة "[57]

رخصتی کے وقت لڑکی والوں کا پیسے لینا رشوت ہے پس خاوند کے لیے جائز ہے کہ اس کو واپس طلب کرے کیونکہ یہ رشوت ہے۔

54- النساء، 24/4

55- قرطبي ، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر (م671) الجامع لأحكام القرآن 23/5، دار الكتب المصرية، 1384، 1964۔

56-

57- ابن عابدين، 170/3، دار الفكر لطباعة والنشر، بدون التاريخ

فتاوی حقانیہ میں لکھا ہے:

شادی سے پہلے لڑکی کے والدین یا دوسرے اولیاء کے لیے حق مہر کے علاوہ لڑکے سے نقدی یا جنس کی شکل میں کچھ لینا حرام اور ناجائز ہے۔[58]

اس رسم کے متعلق مولانا یوسف لدھیانویؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

آپ کے قبیلے کی جو رسم لکھی ہے کہ چالیس ہزار سے لیکر ایک لاکھ روپے تک رقم وصول کرتے ہیں یہ مہر نہیں بلکہ نہایت قبیح جاہلانہ رسم ہے اور اس کی نوعیت پردہ فروشی کی ہے۔[59]

خلاصہ بحث و نتائج:

اس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ کوہستان میں موجود یہ رسم ایک ظالمانہ اور جاہلانہ رسم ہے، اپنی بیٹی اور بہن کے عوض پیسے کھانا ان کو نیلام کرنے کے مترادف ہے، اس کو پردہ فروشی کہیں تو بے جانہ ہوگا، لڑکیوں کے عوض وصول کی جانے والی اس رقم کو علامہ شامی نے رشوت کہا ہے اور رشوت کے گناہ اور سزا کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے" الراشی والمرتشی کلاھمافی النار" کہ رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں آگ میں ہونگے،

کوہستان میں موجود علماء کی یہ زمداری بنتی ہے کہ وہ لوگوں کو اس رسم کی قباحت سے آگاہ کریں، لوگوں کو سمجھائیں تاکہ پردہ فروشی کی یہ رسم ختم ہوسکے۔

58-مولانا عبدالحق، فتاوی دارالعلوم حقانیہ، 4/370، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، 2010، 1431

59-لدھیانوی یوسف، آپ کے مسائل اور ان کا حل، 6/277 مکتبہ لدھیانوی، 2011

تعلیم نسواں:

کوہستان میں تعلیم نسواں کی عملی صورت حال:

کوہستانی معاشرے میں بچیوں کو تعلیم دینے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی ہے، عصری تعلیم تو در کنار قاعدہ، قرآن مجید اور اسلام کے بنیادی تصوارات سے ہی عورتیں ناواقف ہوتی ہیں، خود ہماری کئی قریبی رشتہ دار عورتوں کو دیکھا جن کو قرآن مجید ناظر ہپڑھنا نہیں آتا ہے، کوہستانی معاشرے میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ لڑکیوں کو لکھنا پڑھنا نہیں سکھانا چاہیے کیونکہ اس سے ان میں بگاڑ پیدا ہو گا اور یہ تعلیم بے حیائی اور فحاشی کا سبب ہے اس لیے لڑکیوں کو لکھنے کی تعلیم دینا جائز نہیں ہے۔

اب یہاں بنیادی سوال ہوتا ہے،

کیا لڑکیوں کو تعلیم دینا جائز ہے نہیں ہے؟

لڑکیوں کو کتابت کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟

کیا لڑکیوں کے لیے عصری تعلیم حاصل کرنا جائز ہے؟

لڑکیوں کو تعلیم دینے کا حکم

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کی تعلیم اور روزمرہ کے پیش آمدہ مسائل کی تعلیم دینا ماں باپ پر لازم ہے اور یہ لڑکی کا بنیادی حق ہے، اتنا علم سیکھانا کہ کہ وہ حلال حرام کو جان سکیں، اسلام کے مبادیات کا علم لڑکیوں کے لیے ضروری ہے، لیکن کیا لڑکیوں کو عصری تعلیم دینا یا ان کو کتابت کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جو حل طلب ہیں۔

لڑکیوں کو کتابت کی تعلیم دینے کا حکم:

لڑکیوں کو کتابت کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں اس بارے میں دو آراء پائی جاتی ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو کتابت سیکھانا جائز نہیں ہے، جبکہ جمہور کہتے ہیں لڑکیوں کے لیے کتابت کی تعلیم جائز ہے، جو حضرات عدم جواز کے قائل ہیں ان کی بنیادی دلیل حدیث مبارکہ ہے:

" عن عبد الله بن مسعود، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تسكنوا نساءكم الغرف، ولا تعلموهن الكتابة"[60] "ابن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی عورتوں کو بالاخانوں میں مت بیٹھاو اور نہ ہی ان کو کتابت سیکھاو"

60-قرطبي ، محمد بن أحمد القرطبي (م: 671ھ)الجامع لأحكام القرآن،121/20، دار الكتب المصرية، 1384ھ - 1964 م۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو کتابت کی تعلیم دینا جائز نہیں ہے، لیکن یہ حدیث موضوعی اور منگھڑت ہے، مولانا گوہر رحمنؒ نے اس حدیث کی تخریج اور توضیح میں لکھا ہے:

"یہ حدیث مستدرک حاکم بھی میں نقل کیا ہے مگر اس کو شمس الدین ذھبی نے موضوعی اور من گھڑت کہا ہے، یہ حدیث صحیح ابن حبان میں بھی نقل ہوئی ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن ابراہیم شامی آیا ہے جو واضعین حدیث میں سے ہے"[61]

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث موضوعی ہے اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

مجوزین کے دلائل

پہلی دلیل۔

اللہ رب لعزت قرآن مجید میں فرماتے ہیں "الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ "[62] "جس نے قلم سے تعلیم دی" اس آیت کی تفسیر میں محمد علی الصابونی لکھتے ہیں:" أي الذي علَّم الخطَّ والكتابة بالقلم"[63]۔ یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے قلم کے ذریعے خط و کتابت کی تعلیم دی۔ اس آیت سے پہلے اللہ رب العزت نے فرمایا کہ میں نے انسان کو وہ کچھ سیکھایا جس کا اسے علم نہ تھا، اس کے بعد ذریعہ علم کا ذکر کیا کہ قلم کے ذریعے سے یہ تعلیم دی، قلم کے ذریعے تعلیم کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو خط اور کتابت سیکھایا، اب انسان میں مرد اور عورت دونوں داخل ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قلم اور کتابت جو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے وہ صرف مردوں کے لیے جائز ہو اور عورت کے لیے جائز نہ ہو۔ چنانچہ علامہ طبری نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے۔ 'وَقِيْلَ معناهُ الذي علَّمَ الناسَ علمَ الكتابةَ بالقلمِوهو نعمةٌ عظيمة ولولاَ القلمُ لضاعتِ الحقوقُ ودُرسَت العلومُ واختلَّتْ أمُورُالمعايشِ"

اور کہا گیا ہے اللہ وہ ذات ہے جس نے لوگوں کو کتابت کی تعلیم دی اور یہ ایک بڑی نعمت ہے اگر قلم نہ ہوتا تو حقوق ضائع ہو جاتے اور علوم کی تدریس اور امور معایش میں خلل آجاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قلم و کتابت ایک بڑی نعمت اور علوم کا محافظ ہے لہذا اس سے جس طرح مرد استفادہ کر سکتے ہیں اسی طرح عورت بھی استفادہ کر سکتی ہے۔

دوسری دلیل

61- گوہر رحمن، تفہیم المسائل، 6/209

62- سورۃ العلق 4/96

63۔ صابوني: محمد علي ، صفوة التفاسير، 554/3، دار الصابوني للطباعة والنشر والتوزيع القاهرة 1417 ھ 1997 م

"عَنِ الشِّفَاءِ بِنْتِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلمو- أَنَا عِنْدَ حَفْصَةَ فَقَالَ لِى أَلاَ تُعَلِّمِينَ هَذِهِ رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِيهَا الْكِتَابَةَ"[64]

شفاء بنت عبداللہ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں میں ام المؤمنین حفصہ ؓ کے پاس تھی، تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا نملہ کا دم اس کو کیوں نہیں لکھا دیتی جیسے تم نے اس کو لکھنا سکھایا ہے "اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حفصہ ؓ کتابت کا فن شفاء بنت عبداللہ سے سیکھ چکی تھی اور آپ ﷺ کے علم میں بھی یہ بات تھی پھر بھی آپ ﷺ نے اس پر جرح نہیں کی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے کتابت کا فن سیکھنا جائز ہے، ملا علی قاری ؒ نے اس حدیث کی تشریح میں خطابی کا قول نقل کیا ہے" قال الخطابي: فيه دليل على أن تعلم النساء الكتابة غير مكروه"[65]۔

مولانا یوسف لدھیانوی نے آپ کے مسائل اور ان کے حل میں سہانپوری ؒ کی یہ عبارت نقل کی ہے "فيه دليل على جوازالتعليم النساءالكتابة واماحديث لاتعلموهن الكتابة محمول على من يخشى فى تعليمهاالفساد" اس حدیث میں عورتوں کو کتابت کی تعلیم کے جواز کی دلیل ہے اور وہ حدیث جس میں عورتوں کو کتابت سیکھانے سے منع کیا ہے وہ محمول ہے ان عورتوں پر جن میں تعلیم کتابت کے ذریعے فساد آنے کا خطرہ ہو"

مفتی کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

لڑکیوں کو کتابت کی تعلیم دینے کے بارے میں فقہا کا اختلاف ہے بعض فقہاسد الذرائع منع کرتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ جائز ہے۔[66]

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو کتابت کی تعلیم دینا جائز ہے، اب یہاں سوال رہ جاتا ہے کہ کیا لڑکیوں کو عصری تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟

لڑکیوں کے لیے عصری تعلیم کا حکم:

لڑکیوں کے لیے عصری تعلیم حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں اس میں بھی معاصر فقہا کی دو آراء پائی جاتی ہیں۔ بعض حضرات عدم جواز کے قائل ہیں مفتی رشید احمد لدھیانوی ؒ کی یہی رائے ہے، اکثر حضرات کے ہاں عصری تعلیم جائز ہے مگر اس کے لیے شرائط ہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

اسلام نے مردوں کی طرح عورتوں پر بھی تعلیم کا دروازہ کھلا رکھا ہے، اس لیے ایسے عصری علوم جو نافع ہوں، اگر شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ مسلمان لڑکیاں حاصل کریں تو کچھ حرج نہیں ہے، خاص کر میڈیکل کی تعلیم تو لڑکیوں کے لیے نہایت ضروری ہے۔[67]

مفتی تقی عثمانی صاحب کی بھی یہی رائے ہے وہ لکھتے ہیں:

64۔أبو داود ،سليمان بن الأشعث السجستاني ،سنن أبي داود،حديث نمبر3887،كتاب الطب،

65-ملاعلی قاری،علي بن (سلطان) محمد، (م 1014ھ)مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،2884/7 دار الفكر، بيروت - لبنان 1422ھ - 2002م

66-مفتی کفایت اللہ، کفایت المفتی،70/2

67-رحمانی خالد سیف اللہ، کتاب الفتوی،1/213،زمزم پبلشرز،2013۔

جہاں تک خواتین کے طبی تعلیم حاصل حاصل کرنے کا تعلق ہے وہ شرعانہ صرف جائز ہے بلکہ فرض کفایہ ہے۔[68]

مولانا یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

اگر خواتین ان علوم کو باپردہ حاصل کریں تو کوئی حرج نہیں ہے، تعلیم کے دوران یا ملازمت کے دوران نامحرم سے اختلاط نہ ہو۔[69]

فقہا کی ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کے لیے عصری تعلیم حاصل کرنا جائز ہے، مگر اس کے لیے کچھ شرائط ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

- دوران تعلیم بے پردگی نہ ہو
- غیر محرم کے ساتھ خلوت نہ ہو۔
- فتنہ کے موقعے سے بچنے کا اہتمام ہو۔
- ایسا علم نہ ہو جو شرعانا جائز ہو۔
- ایسی تعلیم نہ ہو جو عورت کی فطری صلاحیت اور دائرہ کار کے مغائر ہو۔
- وہ تعلیم ولی کی اجازت سے ہو۔

کیا پاکستان میں ان شرائط کا وجود ممکن ہے؟

اگر پاکستان میں دیکھا جائے تعلیمی ادارے دو طرح کے ہیں، مخلوط اور غیر مخلوط ادارے، غیر مخلوط ادارے پرائویٹ بھی ہیں اور سرکاری اداروں میں بھی لڑکیوں کے لیے الگ تعلیمی ادارے ہیں موجود ہیں جہاں غیر مخلوط تعلیم دی جاتی ہے اور اساتذہ بھی عورتیں ہی ہوتی ہیں، البتہ راستے میں آنے جانے کا مناسب بندوبست اور ولی کی نگرانی کی ضرورت ہے،

جہاں تک میڈیکل کے تعلیمی ادارے ہیں وہاں مخلوط تعلیم ہوتی ہے اور فتنہ فساد کا خطرہ زیادہ ہے اس لیے ان اداروں سے دور ہی رہنا چاہیے، ہاں جہاں عورتوں کے لیے الگ میڈیکل کالج ہو وہاں پر لڑکیاں میڈیکل کی تعلیم حاصل کر سکتی ہیں۔

68۔، عثمانی، مفتی تقی، فتاوی عثمانی، 4/236

69-یوسف لدھیانوی، آپ کے مسائل اور ان کا حل، 6/175 مکتبہ لدھیانوی، 2011

خلاصہ بحث و نتائج:

اپنے بچوں کو دینی تعلیم دینا، ان کو قرآن مجید اور بنیادی اسلامی احکامات کی تعلیم دینا یہ ماں باپ پر ضروری ہے اور عصری تعلیم دینا بھی بہتر اور جائز ہے لہذا کوہستان میں موجود یہ رسم کہ بچیوں کو تعلیم سے دور رکھنا درست نہیں ہے، آج کل بچیوں کے لیے الگ مدرسے بن چکے ہیں جو ہر جگہ مفت تعلیم دیتے ہیں، اس لیے کوہستان میں موجود لوگوں کو چاہیے کہ ان میں اپنی بچیوں کو داخل کرائیں اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کریں۔

غیرت کے نام پر قتل

کوہستان میں اس رسم کی عملی صورت:

کوہستانی معاشرے میں جب کسی عورت پر اجنبی مرد سے تعلقات قائم کرنے کا شبہ ہو جائے تو اُن دونوں کو قتل کر دیا جاتا ہے، کوہستانی زبان میں اس کو "چُوْر" کہتے ہیں، پھر یہ چور دو طرح کے ہوتے ہیں۔ اگر لڑکی اور لڑکے کو ایک ساتھ دیکھ لیا جائے تو اس کو مکمل چور قرار دے کر قتل کر دیا جاتا ہے، اگر لڑکی والے لڑکے کو قتل کرنے کے بعد لڑکی کو بھی مار دیں تب دشمنی نہیں کی جاتی اور نہ ہی سرکاری سطح پر کیس داخل کیا جاتا ہے، لیکن اگر لڑکی والے لڑکے کو تو قتل کر دیں مگر اس کے بدلے لڑکی کو قتل نہ کریں تو مقتول کے ورثاء کی طرف سے مزاحمت کی جاتی ہے اور یوں دونوں گھرانوں میں دشمنی شروع ہو جاتی ہے۔

چور کی دوسری قسم یہ ہے جب کوئی مرد کسی عورت کو بالمشافہ گالی دیتا ہے یا اس کی چادر کھینچ لیتا ہے یا کوئی مرد کسی کے گھر میں گھس جاتا ہے تو اس کو "کَنْڈرَے چور" کہتے ہیں اس طرح کے مجرم کو بعض علاقوں میں زخمی کیا جاتا ہے اور بعض علاقوں میں اس کو بھی قتل کر دیا جاتا ہے، چونکہ موجودہ چند سالوں میں یہ واقعات بہت زیادہ ہو رہے ہیں اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ غیرت کے نام پر قتل کی شرعی حیثیت کو آشکارہ کیا جائے، کوہستان میں موجود اس رسم اور شرعی نقطہ نظر کا تقابلی جائزہ لیا جائے۔

غیرت کی لغوی واصطلاحی تعریف:

غیرت باب نصر ینصر سے مصدر کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے غیرت کرنا۔ یا مرد کا عورت پر اور عورت کا مرد پر غیرت کھانا، جیسا کہ عربی میں کہا جاتا ہے "غار فلان من فلان على امر أته" کہ فلاں نے فلاں پر غیرت کی اپنی بیوی کی وجہ سے۔[70]

غیرت کی اصطلاحی تعریف:

علامہ عینیؒ نے غیرت کی تعریف لکھی ہے:

"معنى الغيرة تغير القلب وهيجان الغضب بسبب المشاركة في الاختصاص من أحد الزوجين بالآخر"[71] "غیرت کا معنی دل کا بدل جانا اور غصے کا جوش مارنا ایسی چیز میں شرکت کی وجہ سے جو زوجین میں سے ایک کا دوسرے کے ساتھ خاص ہو"

علامہ عینیؒ نے غیرت کی تعریف میں قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے:

70۔ قاسمی، وحید الزمان، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، 2001

71، عینی، أبو محمد محمود بن أحمد، (: 855هـ)، عمدة القاري شرح صحيح البخاري، 205/20، دار إحياء التراث العربي - بيروت

"وقال عياض: الغيرة مشتقة من تغير القلب وهيجان الغضب بسبب المشاركة فيما به الاختصاص، وأشد ما يكون ذلك بين الزوجين"[72]

"غیرت دل کی کیفیت کی تبدیلی اور غصہ کے باعث ہیجانی حالت ہونے کو کہتے ہیں جس کا سبب کسی ایسی چیز میں شرکت ہوتا ہے جس کو آدمی اپنے ساتھ خاص سمجھتا ہے اور یہ کیفیت زوجین میں شدید تر ہوتی ہے"

مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے کشف الباری میں غیرت کی تعریف یوں کی ہے:

غیرت اس طبعی نارضگی کو کہا جاتا ہے جو کسی ایسی چیز کی وجہ سے انسان کو لاحق ہو جس میں انسان شرکت کو پسند نہیں کرتا ہے۔[73]

اسلام میں غیرت مطلوب عمل ہے:

اسلام میں غیرت مطلوب عمل ہے یہی وجہ ہے بے غیرت آدمی کو دیوث کہا جاتا ہے اور دیوث کے بارے میں حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

" عن سالم بن عبد الله عن أبيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة لا ينظر الله عزوجل إليهم يوم القيامة العاق لوالديه والمرأة المترجلة والديوث"[74]

آپ ﷺ نے فرمایا: تین لوگ ایسے ہیں جن کی طرف اللہ رب العزت قیامت کے دن دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرے گا، ماں باپ کا نافرمان، مردوں کی مشابہت کرنے والی عورت، اور بے غیرت شخص۔

اسلام میں غیرت کی مشروعیت کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام غزالی لکھتے ہیں:

"و انماشرعت الغيرة لحفظ الانساب وهومن مقاصد الشريعة ولوتسامح الناس بذلک لاختلطت الانساب لذاقيل کل امة وضعت الغيرة فی رجالهاوضعت الصيانة فی نسائها"[75]

غیرت نسب کی حفاظت کے لیے مشروع کی گئی ہے اور یہ حفاظت نسب مقاصد شرعیۃ میں سے ہے، اگر لوگ اس میں تساہل کریں تو انساب خلط ملط ہو جائیں گے ، اسی وجہ سے کہا گیا ہے ہر وہ امت جس کے مردوں سے غیرت اٹھالی گئی ان کی عورتوں سے پاک دامنی بھی اٹھ گئی۔

72۔عمدة القاری شرح صحیح البخاری، 205/20،

73۔سلیم اللہ خان، کشف الباری، 373، کتاب النکاح، مکتبہ فاروقیہ، 1434، 2013

74۔سنن النسائی، کتاب لزکاة، حدیث نمبر2562،

75 غزالی، احیاءعلوم الدین، بحواله، الموسوعة الفقهية، 340/31، وزارت اوقاف والشئون الاسلامية الكويت، 1430، 2009ء

اس سے معلوم ہوا کہ غیرت اسلام میں مطلوب عمل ہے اور یہ مقاصد شرعیہ میں سے ہے، لیکن غیرت سے وہ غیرت مراد ہے جس کو اسلام نے غیرت کہا ہو، اپنے آباءواجداد کے بنائے ہوئے غیرت کے اصول جو مقاصد شرعیہ کے خلاف ہوں وہ اسلامی نہیں ہیں۔

غیرت کے نام پر قتل اور اسلامی نقطہ نظر:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسلام میں انسان کے قتل کے جواز کے تین اسباب ہیں جو کہ حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔

"عن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لا يحل دم امرئ مسلم، يشهد أن لا إله إلا الله و أني رسول الله، إلا بإحدى ثلاث: الثيب الزاني، والنفس بالنفس، والتارك لدينه المفارق للجماعة"[76]

آپ ﷺ نے فرمایا کسی کلمہ گو مسلمان کا خون حلال نہیں ہے مگر تین وجوہات سے شادی شدہ زانی، اور کسی نفس کے بدلے میں تیسرا وہ جس نے دین کو چھوڑ کر جماعت سے الگ ہو گیا ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کا قتل تین وجوہ سے جائز ہے ایک تو اگر اس نے کسی کو قتل کیا ہے تو قصاصا اس کو بھی قتل کیا جائے گا، اسی طرح جو آدمی دین کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے اس کو بھی قتل کیا جائے گا اور وہ آدمی جو شادی شدہ ہے پھر بھی زنا کا ارتکاب کرتا ہے اس کو بھی قتل کیا جائے گا۔

اسلام میں زانی کی سزا:

اسلام نے زانی محصن اور غیر محصن کی الگ الگ سزا مقرر کی ہے، اگر زنا کرنے والا غیر شادی شدہ ہو تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں گے، قرآن کریم میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

"الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ"[77] "زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ"

اس آیت میں غیر شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کرے تو ان کا حکم بیان ہوا ہے کہ ان کو سو سو کوڑے مارے جائیں۔

شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کریں تو ان کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے رسول اللہ ﷺ نے خود رجم کا حکم جاری کیا اور آپ ﷺ کے حکم سے ہی رجم کا حکم نافذ کیا گیا، بخاری شریف میں روایت ہے: " يعني الرجم للثيب والجلد للبكر " کہ رجم ثیبہ یعنی شادی شدہ کے لیے اور کوڑے غیر شادی شدہ کے لیے ہے"

دوسری حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ مسلمان کا خون تین وجوہات کے علاوہ کسی اور وجہ سے جائز نہیں ہے ان میں ایک وجہ شادی شدہ آدمی کا زنا کرنا ہے، حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا:

76-صحيح المسلم۔حديث نمبر1676،

77-النساء۔2/4

"عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال عمر لقد خشيت أن يطول بالناس زمان حتى يقول قائل لا نجد الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة أنزلها الله ألا وإن الرجم حق على من زنى وقد أحصن ،ألا وقد رجم رسول الله صلى الله عليه و سلم ورجمنا بعده"[78]

"عمرؓ نے کہامیں ڈرتاہوں کہ کہیں زیادہ وقت گزر جائے اور کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ کتاب اللہ میں تو رجم کا حکم ہمیں کہیں نہیں ملتااور اسی طرح وہ اللہ کے مقرر کے گئے فرض کو چھوڑ کر گمراہ ہو جائے گا، آگاہ ہو جاو کہ رجم کا حکم اس شخص کے لیے فرض ہے جس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کیاہو خبر دار رسول اللہ ﷺ نے رجم کیااور ان کے بعد ہم نے بھی رجم کیا ہے۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کاارتکاب کریں توان کی سزا رجم ہی ہے،

فتاوی ھندیہ میں محصن کی شرائط بیان کی گئی ہیں کہ شادی شدہ کو رجم کی سزا تب دی جائی گی جب مندرجہ ذیل شرائط ان میں پائی جائیں۔

"وَإِحْصَانُ الرَّجْمِ أَنْ يَكُونَ حُرًّا عَاقِلًا بَالِغًا مُسْلِمًا قَدْ تَزَوَّجَ مِنْ امْرَأَةٍ حُرَّةٍ نِكَاحًا صَحِيحًا وَدَخَلَ بِهَا "[79]

محصن ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ آزاد، عاقل، بالغ اور مسلمان ہو اور اس نے آزاد عورت سے نکاح صحیح کیاہو عورت سے مباشرت بھی کر چکاہو۔

یعنی رجم محصن کو کیاجائے گااور محصن وہ ہوتا ہے جس کے اندر مندرجہ بالہ شرائط پائی جائیں۔

اہم سوال۔

کیاحالت زنامیں قتل کرنے والے کو قصاصا قتل کیاجائے گا۔؟

سابقہ بحث سے معلوم ہوا کہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا رجم اور قتل ہے، قاضی اور عدالت کے حکم پر اس کو رجم کیاجائے گالوگوں کو خود قانون ہاتھ میں لیکر قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے، لیکن اگر کسی شخص نے غیرت میں آکر بیوی یاکسی اور عزیزہ کو قتل کر دیاتو کیااس قاتل کو قصاصاً قتل کیاجائے گایا نہیں؟

فقہانے لکھاہے اگر کوئی آدمی اپنے غصہ پر قابو نہ پاسکااور غیرت میں آکر اس نے قتل کر دیاتواب اس قاتل کو عدالت میں یہ ثابت کرناپڑے گا کہ میں نے جس کو قتل کیاہے واقعی مجرم تھااور میں نے اس کو غیر مناسب حالت میں دیکھاہے، اگر اس آدمی نے گواہوں کے ذریعے ثابت کیاتواس سے قصاص ساقط ہو جائے گالیکن اگر وہ یہ ثابت نہ کر سکاتواب اس پر قصاص لازم ہو گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

78۔صحيح البخاری، حديث نمبر6829،باب اعتراف بالزنا،

79۔ لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي، الفتاوى الهندية، 145/2، دار الفكر، 1310 ھ

" اختلف العلماء فيمن قتل رجلا وزعم أنه وجده قد زنا بامر أته، فقال جمهورهم: لا يقتل بل يلزمه القصاص إلا أن تقوم بذلك بينة أو تعترف به ورثة القتيل، والبينة أربعة من عدول الرجال يشهدون على نفس الزنا ويكون القتيل محصنا، وأما فيما بينه وبين الله تعالى فإن كان صادقا فلا شيء عليه، وقال بعض الشافعية: يجب على كل من قتل زانيا محصنا القصاص"[80].

"علماکا اس آدمی کے بارے میں اختلاف ہے جس نے کسی آدمی کو اس گمان پر قتل کیا ہو کہ اس شخص کی بیوی کے ساتھ زنا کیا تھا، جمہور علماء کہتے ہیں اس پر قصاص لازم ہو گا مگر لازم ہے کہ وہ اس پر گواہ پیش کرے یا مقتول کے ورثا اس بات کا خود اقرار کریں اور گواہ چار عادل مرد ہوں گے جو نفس زنا پر گواہی دیں گے اور اس بات پر بھی کہ قاتل محصن تھا، ہاں اس قاتل اور اللہ کا معاملہ اگر وہ سچا ہے تو اس پر کچھ بھی لازم نہ ہو گا۔ بعض شافعیہ کہتے ہیں ہر وہ آدمی جو خود زانی محصن کو قتل کرے اس پر قصاص لازم ہو گا۔"

حاشیہ ابن عابدین میں ہے:

" يجب القودأى:القصاص بقتل كل محقون الدم على التأبيدعمداً، کہ قصاص لازم ہوتا ہے ایسے آدمی کے عمداً قتل سے جو ہمیشہ کے لیے محفوظ الدم ہو، علامہ شامی نے اس کی تشریح میں لکھا ہے ۔واحترزبه عن مباح الدم كالزاني المحصن والحربي والمرتد والمراد الحقن الكامل"[81]

اس سے احتراز کیا ہے ان سے جن کا خون مباح ہے مثلاً شادی شدہ زانی، حربی، مرتد۔

فتاوی ہندیہ میں لکھا ہے:

"قَالُوا لِكُلِّ مُسْلِمٍ إقَامَةُ التَّعْزِيرِ حَالَ مُبَاشَرَةِ الْمَعْصِيَةِ وَأَمَّا بَعْدَ الْمُبَاشَرَةِ فَلَيْسَ ذَلِكَ لِغَيْرِ الْحَاكِمِ"[82]

ہر مسلمان کو تعزیر کا حق حاصل ہے معصیت کے مباشرت کے دوران اور مباشرت کے بعد جائز نہیں ہے۔

علامہ وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"فلايقتل مسلم ولازمى بالكافرالحربى ولابالمرتدولابالزانى المحصن ولابالزنديق ولابالباغى،لأن هؤلاءمباح الدم"[83]

مسلمان اور زمی کو کافر حربی، مرتد، زانی محصن، زندیق اور باغی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ مباح الدم ہیں۔

مولانا گوہر رحمن لکھتے ہیں:

80۔عینی، أبو محمد محمود بن أحمد،(م 855ھ)، عمدة القاري شرح صحيح البخاري، 75/19،دار إحياء التراث العربي بيروت،

81۔حاشية ابن عابدين،164/10،

82۔ لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي، الفتاوى الهندية،167/2 ج2،ص167، دار الفكر، 1310 ھ

83۔الزحيلى ,الدكتوروهبه ،الفقه الاسلامى والدلته،266/6،دارالفكر،1409ھ،1989ء

اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا کی حالت میں قتل کرنا جائز ہے اور قاتل عند اللہ ماخوذ نہ ہو گا باقی رہی دنیاوی سزا تو اگر قاضی کے سامنے ثابت ہو گیا کہ قتل کی وجہ یہی تھی تو قاتل سے قصاص بھی نہیں لیا جائے گا۔[84]

فتاوی حقانیہ میں لکھا ہے:

اگر شوہر دوران زنا بیوی کو قتل کر دے تو مجرم نہ ہو گا بصورت دیگر بیوی کو قتل کرنا قابل مواخذہ جرم ہے۔[85]

خلاصہ بحث:

فقہا کی ان عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو قتل کر دیتا ہے اور یہ بات عدالت میں ثابت کر دیتا ہے کہ واقعی وہ عورت سیاہ کاری میں ملوث تھی، عدالت کو اس کی بات پر صداقت کا یقین ہو جائے تو اب اس قاتل سے قصاص ساقط ہو جائے گا، کیونکہ قصاص تب لازم ہوتا ہے جب کسی محفوظ الدم آدمی کو قتل کیا جائے اور زانی محصن محفوظ الدم نہیں ہوتا ہے جب وہ محفوظ الدم نہ ہوا تو اب اس کے قتل کرنے سے قصاص لازم نہ ہو گا، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قاتل عدالت میں چار گواہوں کے ساتھ یہ بات ثابت کر دے یا مقتول کے ورثا خود اس بات کا اقرار کریں کہ واقعی ہمارا یہ عزیز اس گناہ میں مبتلا تھا، اگر وہ یہ بات عدالت میں ثابت نہ کر سکا تو اس پر قصاص لازم ہو گی اور قصاصاً اس آدمی کو قتل کر دیا جائے گا۔

کوہستان میں موجود قتل غیرت کی رسم اور شرعی حکم کا تقابلی جائزہ:

اوپر ذکر کی گئی بحث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں زنا کی سزا رجم اور کوڑے ہیں، اگر زنا کرنے والے شادی شدہ ہوں تو ان کو رجم کیا جائے گا، اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان کو سو سو کوڑے مارے جائیں گے، لیکن کوہستان میں شریعت اور اسلام کے بتلائے ہوئے ان اصولوں پر عمل نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اُن کے اپنی غیرت اور اپنے اصول ہیں جو یقیناً شریعت کے اصول اور قانون کے خلاف ہے، کوہستان کی رسومات مندرجہ ذیل قباحتیں اور خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

1. کوہستان میں جب سیاہ کاری کا الزام کسی غیر شادی شدہ پر لگ جائے تو اس کو قتل کر دیا جاتا ہے حالانکہ شریعت میں غیر شادی شدہ کی سزا سو کوڑے ہیں، کسی غیر شادی شدہ کو قتل کرنا یہ شرعاً جرم ہے ایسے آدمی قصاصاً قتل کیا جائے گا اور عند اللہ ایسا شخص مجرم ہوتا ہے۔
2. کوہستان میں عموماً شک کی بنیاد میں قتل کیا جاتا ہے، اگر کسی لڑکا یا لڑکی کو بات کرتے ہوئے دیکھا جائے تب بھی اس کو قتل کیا جاتا ہے، کتنے ہی ایسے واقعات ہوئے ہیں جس میں بچوں کے یا عورتوں کے کہنے پر لوگوں کو قتل کیا گیا یا راستے سے گزرتے ہوئے محض شک کی وجہ سے قتل کیا گیا، اسی طرح اگر رات کو کوئی لڑکا کسی گھر کے قریب مارا جائے تو لڑکے والے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کے بدلے میں لڑکی کو قتل کر دو ورنہ دشمنی ہو گی تو لوگ گھر میں کسی ایک لڑکی کو محض شبہ کی وجہ سے دشمنی سے بچنے کے لیے قتل کر دیتے ہیں، جبکہ شریعت اس کی اجازت نہیں ہے، شریعت کا حکم یہ ہے کہ زانی اور مزنیہ کو اس حالت میں دیکھے جیسا کہ سرمہ دانی میں سوئی تب اس کو رجم کرنے کا حکم ہے۔

84۔ گوہر رحمن، تفہیم المسائل، 4/337،

85۔ فتاوی حقانیہ، 5/172،

واقعات:

ہمارے ہاں کئی ایسے واقعات ہوئے ہیں جس میں شبہ کی وجہ سے خاوند کو قتل کیا گیا، ایک جگہ خاوند اور بیوی جنگل میں ایک دوسرے سے ملے بچوں نے ان کو دیکھ کر شور مچایا تو گھر سے لوگ بندوقیں لیکر نکل پڑے لڑکے نے شرمندگی سے بچنے کے لیے بھاگنے کی کوشش کی پیچھے اس کو گولی ماردی گئی بعد میں دیکھا تو وہ لڑکی کا خاوند نکلا۔ اسی طرح ایک جگہ خاوند سفر سے آیا اور رات لیٹ گھر پر پہنچا، باقی گھر والوں کو سوتا چھوڑ کر اپنے کمرے میں گیا اور صبح اپنوں کی گولی کا نشانہ بن گیا۔

3۔ کوہستان میں عموماً بے قصور لڑکیوں کو قتل کیا جاتا ہے، جب کسی گھر میں لڑکا ناجائز طریقے سے گھس تا ہے اور یہ پتا نہیں ہوتا کہ کس لڑکی سے اس کے تعلقات تھے تو گھر میں کسی بہو، بھابی یا کسی کمزور لڑکی کو مجرم ٹھرا کر قتل کیا جاتا ہے جو کہ ایک ناجائز اور قابل مذمت عمل ہے۔

خلاصہ بحث و نتیجہ:

اس بحث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کوہستان میں مروج قتل غیرت کی رسم میں اتنی خرابیاں ہیں کہ ان کو شرعاً درست نہیں کہ سکتے ہیں، شریعت نے حد زنا کے لیے شرائط اس لیے رکھی ہیں تاکہ کسی بے قصور کو سزا نہ ملے، یہ صرف ایک سزا نہیں ہوتی بلکہ اس طرح کے واقعات سے دشمنیاں جنم لیتی ہیں، خاندانوں کے خاندان دشمنی کے بھینٹ چڑھ جاتے ہیں، اس سے کسی کی عزت اور ناموس پر ہمیشہ کے لیے سیاہ کاری کا دھبہ لگ جاتا ہے اس لیے شریعت نے اس کے لیے سخت اصول رکھے ہیں تاکہ کوئی آدمی محض اپنے غصے اور ناراضگی کی وجہ سے کسی پر الزام لگا کر قتل نہ کرے۔

مقامی علما کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو ان مسائل سے آگاہ کریں، شریعت کے حکم کو بیان کرنے میں علما کو جھجک نہیں محسوس کرنا چاہیے، جس کو ہمارے لوگ غیرت سمجھتے ہیں اور خود ساختہ جو غیرت کے بت ہم لوگوں نے بنائے رکھے ہیں وہ درحقیقت غیرت نہیں ہے، غیرت وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں بتائی ہیں، ہم سے زیادہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ غیرت مند ہیں، اس لیے ہمیں اپنے خود ساختہ قوانین کو چھوڑ کر اللہ کے بتلائے ہوئے احکام پر چلنا چاہیے۔

بیوہ کو اپنی میراث سمجھنا:

کوہستان میں اس رسم کی عملی صورت:

کوہستانی معاشرے میں جب کوئی مرد فوت ہو جاتا ہے تو اس کی بیوہ کو متوفی کے ورثا اپنی میراث سمجھتے ہیں، متوفی کا بھائی یا کوئی قریبی رشتہ دار سے اس کی شادی کرائی جاتی ہے، اگر وہ بیوہ نکاح سے انکار کر دے تو اس پر زبردستی کی جاتی ہے زبردستی کے باوجود وہ بیوہ کسی بھی صورت میں نکاح پر راضی نہ ہو تو اس پر یہ شرط رکھی جاتی ہے کہ وہ کسی اور کے ساتھ شادی نہیں کریگی ساری زندگی اس کو یوں ہی بیوہ رہنا پڑیگا اور سابقہ شوہر کے گھر میں باقی ماندہ زندگی گزارنی پڑیگی، وہ بیوہ مظلوم عورت ساری زندگی ایک جاہلانہ رسم کی وجہ سے اکیلی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

اسلام سے قبل عرب معاشرہ:

اسلام سے قبل عرب معاشرے میں بھی یہی رسم عام تھی، جب کوئی مرد فوت ہو جاتا تو وہ لوگ اس کی بیوہ کو اپنی میراث سمجھتے تھے، اس کو دوسری جگہ شادی کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی، قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے اس قبیح رسم سے ان کو منع کیا، سورہ النساء میں اللہ فرماتے ہیں۔

"لا يحل لكم أن ترثوا النساء كرها "[86]

"اے ایمان والو یہ بات تمھارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو"

امام بخاری نے اس آیت کے شان نزول میں ایک روایت نقل کی ہے:

"عن ابن عباس [يا أيها الذين آمنوا لا يحل لكم أن ترثوا النساء كرها ولا تعضلوهن لتذهبوا ببعض ما آتيتموهن] قال كانوا إذا مات الرجل كان أولياؤه أحق بامر أته إن شاء بعضهم تزوجها وإن شاءوا زوجوها وإن شاءوا لم يزوجوها فهم أحق بها من أهلها فنزلت هذه الآية في ذلك"[87]

ابن عباسؓ سے رایت ہے فرماتے ہیں: جاہلیت میں کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو شوہر کے رشتہ دار اس عورت کے زیادہ مستحق سمجھے جاتے تھے، اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اس سے شادی کر لیتا یا پھر وہ جس سے چاہتے اسی سے اس کی شادی کرا دیتے ا، اس طرح عورت کے گھر والوں کے مقابلے میں بھی شوہر کے رشتہ دار اس کے زیادہ مستحق سمجھے جاتے اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔

86۔النساء19/4

87۔صحیح البخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر4579

امام طبری اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"إن ذلك ليس من معنى وراثتهن إذا هن مِتن فتركن مالا و إنما ذلك أنهن في الجاهلية كانت إحداهن إذا مات زوجها، كان ابنه أو قريبُه أولى بها من غيره، ومنها بنفسها، إن شاء نكحها، وإن شاء عضلها فمنعها من غيره ولم يزوّجها حتى تموت"[88]

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب وہ مر جاتی تھیں تو وہ مال چھوڑ جاتی تھیں، یہ دراصل یہ ہوتا تھا کہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو اس کا بیٹا یا اس کا قریبی رشتہ دار زیادہ حقدار سمجھا جاتا بنسبت دوسرے کے اور اس عورت کے اپنے نفس سے بھی وہ زیادہ حقدار سمجھے جاتے تھے اگر وہ چاہتے تو اس سے نکاح کر لیتے اگر چاہتے تو اس کو چھوڑ دیتے اور کسی دوسرے سے نکاح کرنے سے اس کو منع کرتے، وہ عورت شادی نہیں کر سکتی تھی یہاں تک کہ وہ مر نہ جائے، پس اللہ نے اس کو حرام قرار دیا۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ یہ رسم مشرکین مکہ میں بھی موجود تھی، وہ بھی بیوہ کو اپنی میراث سمجھتے تھے، جب کوئی بندہ فوت ہو جاتا تو اس کی بیوہ سے خود نکاح کرتے یا اس کو کسی جگہ بھی نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی، اس رسم کی قباحت کی وجہ سے اللہ رب العزت نے اس رسم سے منع کرنے کے لیے "لایحل" کا صیغہ استعمال کیا ہے جس میں اس گناہ کی شدت اور اس رسم کی حرمت وشناعت کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ مفتی شفیعؒ نے اسی آیت کی تشریح میں لکھا ہے:

ظلم اور فساد کی ممانعت کا عام طریقہ یہ ہے کہ بصیغہ نہی اس سے منع کر دیا جائے، لیکن اس جگہ قرآن کریم نے اس عام طریقہ کو چھوڑ کر لفظ "لایحل" سے اس کو بیان فرمایا ہے اس میں اس معاملے کی شدت گناہ ہونے کے علاوہ اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ اگر کسی بالغ عورت سے بغیر اس کی رضا و اجازت کے نکاح کر بھی لیا تو وہ نکاح شرعاً حلال نہیں بلکہ کالعدم ہے، ایسے نکاح سے مرد وزن دونوں کے درمیان میاں بیوی کا رشتہ قائم ہوتا ہے اور نہ وراثت یا نسب کے احکام اس سے متعلق ہوتے ہیں۔

خلاصہ بحث و نتائج:

اس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ کوہستان میں موجود یہ رسم ایک جاہلانہ اور فرسودہ رسم ہے یہ رسم دراصل عورت زات پر ظلم اور ناانصافی ہے جس کو قرآن کریم نے واضح طور پر حرام قرار دیا ہے، کیونکہ عاقل بالغ لڑکی کا نکاح بغیر اس کی رضامندی کے جائز نہیں ہے، بیوہ عورت عاقل بالغ ہونے کے ساتھ ساتھ شوہر دیدہ بھی ہے، تمام ائمہ کا اس بات میں اتفاق ہے کہ عاقل بالغ اور شوہر دیدہ عورت کا نکاح بغیر اس کی رضامندی کے کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اگر وہ بیوہ عورت کسی مرد سے شادی کرنا چاہیے تو کر سکتی ہے اس کو منع کرنا یہ ناجائز ہے، ہمیں غور و فکر کرنا چاہیے کہ جس کام سے اللہ رب العزت نے منع کیا ہے اور جس کام کو اللہ اور اللہ کے رسول نے حرام کہا ہو، جو طریقہ اسلام کا نہیں بلکہ مشرکین مکہ کا ہے کیا وہ کام کرنا یا اس رستے پر چلنا ہمارے لیے جائز ہو گا، ہم اس رسم پر چل کر اپنی آخرت برباد نہیں کر رہے؟

88۔طبري ،محمد بن جرير بن يزيد،[م310 هـ]، جامع البيان في تأويل القرآن،108/8 مؤسسة الرسالة,1420 هـ - 2000

متعدد شادیوں کا رواج اور عدل کا فقدان

کوہستان میں اس رسم کی عملی صورت:

کوہستان میں متعدد شادیوں کا رواج عام ہے اکثر لوگ دو یا تین شادیاں کرتے ہیں، یقیناً یہ رسم بہت اچھی رسم ہے اور شریعت کی نظر میں قابل تعریف عمل ہے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ تمام بیویوں میں عدل وانصاف کا قائم کرے، کوہستانی معاشرے میں لوگ متعدد شادیاں تو کرتے ہیں مگر ان میں عدل ومساوات نہیں کرتے، تمام ازواج کو برابر حقوق نہیں دیتے ہیں، دوسری شادی کرنے کی صورت میں جب میلان اس کی طرف زیادہ ہو تو اس کو ہر حالت میں خوش وخرم رکھنے میں لگے رہتے ہیں اور پہلی بیوی کی طرف بلکل دہان نہیں کیا جاتا اور نہ ہی اس کے حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے، شب پاشی کے حق سے تو پہلی بیوی کو بلکل محروم کیا جاتا ہے

۔

یہاں ایک دوسرا پہلو بھی انتہائی افسوس ناک ہے بالفرض اگر پہلی بیوی خاوند پر غالب ہو تو وہ دوسری کے ساتھ خاوند کے تعلقات کو خراب کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے، پہلی بیوی اور اس کے بچے بات بات پر تنگ کرتے ہیں اور خاوند نہ چاہتے ہوئے بھی پہلی بیوی کا ساتھ دیتا ہے، الغرض دونوں صورتوں میں ظلم کا شکار ایک عورت ہی ہوتی ہے اور گھر میں انارکی، نفرت اور بے سکونی کی فضا قائم رہتی ہے۔

متعدد شادیوں کا حکم:

اسلام نے چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے کہ ایک آدمی بیک وقت چار بیویاں رکھ سکتا ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے ان میں عدل وانصاف کرنے کا یقین ہو تب چار کرے گا لیکن اگر مرد کو یہ یقین ہو کہ وہ ایک سے زائد شادیاں کرنے کی صورت میں ان میں انصاف نہیں کر سکے گا تو اس کے لیے ایک ہی شادی کرنے کا حکم ہے۔ قرآن کریم میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

" وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُوا"[89]

"اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے تو (ان سے نکاح کرنے کے بجائے) دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند آئیں، دو دو سے، تین تین سے، اور چار چار سے ہاں اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم ان کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو یا ان کنیزوں پر جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔ اس طریقے میں اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ تم بے انصافی میں مبتلا نہیں ہو گے۔"

علامہ قرطبی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"(فواحدة). فمنع من الزيادة التي تؤدي إلى ترك العدل في القسم وحسن العشرة. وذلك دليل على وجوب ذلك"

"ایک سے زائد شادی سے منع کیا جب وہ عدل کے ترک کرنے کا موجب ہو تقسیم میں اور حسن معاشرت میں اور یہ دلیل ہے اس بات پر کہ عدل واجب ہے"

---

[89] النساء، 3/4

مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

"اس سے معلوم ہوا کہ ایک سے زائد نکاح کرنا اس صورت میں جائز ہے اور مناسب ہے جبکہ شریعت کے مطابق سب بیویوں میں برابری کر سکے اور سب کے حقوق کا لحاظ رکھ سکے۔ اگر اس پر قدرت نہ ہو تو ایک ہی بیوی رکھی جائے۔۔۔ اگر یہ احتمال غالب ہو کہ عدل و مساوات قائم نہ رکھ سکو گے تو ایک سے زائد نکاح پر اقدام کرنا اپنے آپ کو ایک عظیم گناہ میں مبتلا کرنے پر اقدام ہے اس سے باز رہنا چاہئے۔"[90]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سے زائد شادیاں کرنے کی اجازت تب ہے جب ان میں انصاف کرنے کا یقین ہو اگر انصاف کرنے کا یقین نہ ہو تو زائد شادیاں کرنا اپنے آپ کو گناہ میں مبتلا کرنے اور بڑی ازمائش میں ڈالنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

عدل وانصاف نہ کرنے پر وعید:

اگر کوئی آدمی ایک سے زائد شادیاں کرے اور پھر ان میں عدل وانصاف اور مساوات وبرابری کا خیال نہیں رکھتا اس کے لیے حدیث میں سخط وعید آئی ہے:

"عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا كان عند الرجل امر أتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط"[91]

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کسی شخص کے پاس دو بیویاں ہوں اور ان کے درمیان انصاف سے کام نہ لے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہو ہو گا"

یعنی جو آدمی دو زوجات میں انصاف نہیں کرتا، ان میں انصاف کا خیال نہیں کرتا، ایک سے اٹھنا بیٹھنا زیادہ کرتا ہے اور دوسری کی طرف توجہ کم دیتا، ایک کے حقوق ادا کرتا ہے مگر دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی اس کو فکر نہیں ہے تو روز محشر وہ آدمی اللہ کے حضور اس حالت میں پیش ہو گا کہ اس کی ایک جانب جھکی ہوئی ہو گی، اس کے جسم کا ایک پہلو اس طرح نیچے کی جانب جھکا ہو گا جس طرح فالج زدہ آدمی کا جسم ہوتا ہے، قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس کی پیشی ایک فالج زدہ مریض کی طرح ہو گی۔

عدل وانصاف کس چیز میں ضروری ہے:

90۔ معارف القرآن

91۔ سنن الترمزی، حدیث نمبر 1141

انسان کو دو طرح کے امور وافعال سے واسطہ پڑھتا ہے، بعض امور انسان کے اختیار میں ہوتے ہیں اور بعض امور غیر اختیاری ہوتے ہیں، جو امور اختیاری ہوتے ہیں ان میں اس میں انسان سے باز پرس ہو گی ایسے امور میں انسان جواب دہ ہے اور جو امور غیر اختیاری ہوتے ہیں اس کا حساب کتاب نہیں ہو گا۔

امور اختیاریہ میں نان نفقہ، شب باشی کی باری اور حسن معاشرت داخل ہے، ان چیزوں میں مساوات اور برابری ضروی ہے، رات کی تقسیم اور نان نفقہ میں اگر عدل نہ کرنے والے کو قیامت کے دن شرمندگی کا سامنا کرنا پڑیگا۔

وہ امور جو غیر اختیاری ہیں مثلا قلبی میلان اور دلی محبت اس میں مساوات ضروری نہیں ہے، اگر کسی ایک بیوی سے محبت زیادہ ہو اس کی طرف قلبی محبت اور چاہت زیادہ تو چونکہ یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے اس لیے یہ امور قابل گرفت نہیں ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ غیر اختیاری امور اس کے اختیاری امور پر غالب نہ آئیں، محبت اگرچہ کسی ایک سے زیادہ ہو مگر ظاہری طور پر ان میں عدل ومساوات کرے۔ خود آپ ﷺ بھی حضرت عائشہؓ سے محبت زیادہ کرتے تھے مگر حسن معاشرت اور باری کی تقسیم میں انصاف کی مکمل پابندی کرتے تھے ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"عن عائشة، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقسم بين نسائه فيعدل، ويقول:اللهم هذه قسمتي فيما أملك، فلا تلمني فيما تملك ولا أملك"[92]

"نبی اکرم ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان باری تقسیم کرتے ہوئے فرماتے، اے اللہ: یہ میری تقسیم ہے جس پر میں قدرت رکھتا ہوں لیکن جس کی قدرت تو رکھتا ہے میں نہیں رکھتا اس کے بارے میں مجھے ملامت نہ کرنا"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جس چیز کا مالک ومختار ہوتا ہے اس میں عدل کرنا ضروری ہے اور جس چیز میں انسان کو اختیار نہیں ہے اس میں اللہ سے معافی طلب کرتا رہنا چاہیے اور ظاہری عدل میں احتیاط کرنا چاہیے۔

آپ ﷺ کا عدل وانصاف:

نبی کریم ﷺ نے گیارہ شادیاں کی تھی اور رحلت کے وقت "نو" ازواج مطہرات حیات تھیں، ازواج مطہرات میں عدل وانصاف کا خاص خیال رکھتے تھے، ہر ایک کے لیے باری مقرر کی تھی، عصر کے بعد بار باری سب ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے اور ان کی ضروریات اور حاجات کے بارے دریافت کرتے تھے:

92۔ سنن الترمزی، حدیث نمبر 1140

”عن عائشة رضي الله عنها : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا انصرف من العصر دخل على نسائه فيدنو من إحداهن فدخل على حفصة فاحتبس أكثر ما كان يحتبس “[93]

”حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب عصر کی نماز سے واپس ہوتے تو اپنی ازواج کے پاس جاتے تھے، ہر ایک کے پاس جاتے ایک دفعہ حضرت حفصہؓ کے پاس گئے اور باقیوں سے ان کے پاس زیادہ ٹھر گئے۔“

رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات میں عدل کا اسقدر خیال رکھتے تھے کہ جب آپ ﷺ بیمار ہوئے تب بھی باری کا خیال رکھتے اور پوچھتے کہ آج کس گھر میں جانا:

”عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسأل في مرضه الذي مات فيه (أين أنا غدا أين أنا غدا) . يريد يوم عائشة فأذن له أزواجه يكون حيث شاء فكان في بيت عائشة “[94]

”حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اس مرض میں جس میں وہ فوت ہوئے پوچھتے تھے کہ آج میں کہاں ہونگا، آج میں کہاں ہوں گا، آپ حضرت عائشہؓ کے پاس جانے والا دن چاہتے تھے تو ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دی کہ جہاں چاہیں رہیں، پس آپ ﷺ حضرت عائشہ کے گھر ٹھر گئے“

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ازواج مطہرات میں عدل وانصاف کا بہت خیال رکھتے تھے، حالت بیماری میں بھی آپ خیال کرتے تھے کہیں عدل میں فرق نہ آئے۔

خلاصہ بحث اور نتیجہ:

سابقہ ساری بحث سے معلوم ہوا کہ ایک سے زائد نکاح کرنا تب جائز ہے جب ان میں عدل وامساوات کرنے کا یقین ہو اگر وہ عدل نہیں کر سکتا تو پھر ایک ہی شادی کرے گا، متعدد شادیاں کرنے کے باوجود اگر کوئی ان میں عدل نہیں کرتا تو قیامت کے ان اس کو شرمندگی اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑیگا۔ کوہستان میں جو رسم ہے کہ متعدد شادیاں تو کرتے ہیں مگر ان میں انصاف، عدل اور برابری کو لازم نہیں سمجھتے، ازواج میں حسن معاشرت، شب پاشی اور مساوات نہیں کرتے یہ سراسر ظلم اور ناانصافی ہے، ایسے لوگوں کی قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حالت میں پیشی ہوگی کہ ان کی ایک طرف ایک فالج زدہ مریض کی طرح نیچے جھکی ہوگی، لہذا ہمیں اپنی زندگی کے تمام معاملات میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا خیال رکھنا پڑیگا تاکہ آخرت کے ذلت سے ہم بچ سکیں۔

93۔ صحیح البخاری، حدیث نمبر 4918،

94۔ صحیح البخاری، حدیث نمبر 4919

لڑکیوں کو میراث میں حصہ نہ دینا:

کوہستان میں اس رسم کی عملی صورت:

کوہستان میں عورتوں کو میراث میں حصہ نہیں دیاجاتاہے اور نہ ہی میراث میں عورتوں کا حق سمجھاجاتاہے،جب کوئی آدمی فوت ہوجاتاہے تواس کے بیٹے آپس میں جائداد کی بندربانٹ کردیتے ہیں اپنی بہنوں سے پوچھتے تک نہیں ہیں،یہاں تک کہ اپنی ماں کو بھی میراث میں حصہ اس لیے نہیں دیتے کہ وہ ایک عورت زادہے ،اسی طرح اگرباپ اپنی زندگی میں ہی میراث تقسیم کرتاہے تووہ اپنی بیٹیوں اور بیوی کواس میں سے حصہ نہیں دیتاہے،اگربہن اپنے بھائیوں سے میراث میں حصہ طلب کرے تواس پربھائی اپنے گھرکے دروازے بندکردیتے ہیں،اس ظلم کی ایک دردناک منظرتب پیش آتاہے جب کوئی مردفوت ہوجائے،اس کے بیٹے نہ ہوں صرف بیٹیاں رہ جائیں تومتوفی کے بھائی ساری جائداد خود ہڑپ کرجاتے ہیں،میت کے بیٹیوں اور اس کی بیوہ کومیراث میں حصہ نہیں دیتے ہیں وہ لڑکیاں بے یارومددگاراپنوں کے ستم وبربریت کاشکارہوجاتی ہیں،یہاں تک کہ جائداد کی طرح ان لڑکیوں کو بھی آپس میں تقسیم کردیاجاتاہے۔

اسلام سے قبل عرب معاشرہ:

اسلام سے قبل عرب معاشرے میں بھی یہی رسم عام تھی،جب کوئی مردفوت ہوجاتاتوبچوں اور عورتوں کومیراث میں حصہ نہیں دیاجاتاتھا،چنانچہ جب ام کحلۃ کے شوہرفوت ہوئے توشوہرکے بھائیوں نے اس کی اکلوتی بیٹی اور اس کی بیوہ کومیراث میں حصہ دینے سے انکارکردیا،ام کحلۃ رسول اللہ ﷺ کے دربارمیں حاضرہوئی اور عرض کیایارسول اللہ:میرے شوہرفوت ہوئے ہیں اور میری یہ بیٹی رہ گئی ہے کیاہمیں میراث نہیں ملے گی،یارسول اللہ:اس بچے کے چچاکہتے ہیں کہ یہ نہ گھوڑے پرسوارہوسکتی ہے نہ بوج اٹھاسکتی ہے اورنہ دشمن کامقابلہ کرسکتی ہے لہذااس کومیراث نہیں ملے گی،ام کحلۃؓ کی شکایت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

”للرجال نصيب مما ترك الوالدان والأقربون وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والأقربون مما قل منه أوكثرنصيبا مفروضا“[95]

مردوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جووالدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑاہواور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جووالدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑاہوچاہے وہ(ترکہ)تھوڑاہویازیادہ یہ حصہ(اللہ کی طرف سے)مقررہے۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں امام طبریؒ لکھتے ہیں:

”قال: كان النساء لا يورَّثن في الجاهلية من الآباء،وكان الكبيريرث، ولا يرث الصغيروإن كان ذكرًا، فقال الله تبارك وتعالى:"للرجال نصيبٌ مما ترك الوالدان والأقربون" إلى قوله:"نصيبًا مفروضًا“[96]

95۔النساء۔7/4

96۔طبري،محمد بن جريربن يزيد ،(م310 ھ)الكتاب:جامع البيان في تأويل القرآن،599/7مؤسسة الرسالة، 1420 ھ - 2000 م

”زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو میراث نہیں دی جاتی تھی اور جو بڑا ہوتا تھا وہ وارث بن تا تھا چھوٹے وارث نہیں بن سکتے تھے اگرچہ وہ مذکر کیوں نہ ہوں، پس اللہ رب العزت نے فرمایا، عورتوں اور رشتہ داروں دونوں کے لیے والدین کی میراث میں حصہ مقرر ہے“

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو میراث میں حصہ نہ دینا یہ مشرکین کی رسم تھی اللہ رب العزت نے ہر ایک کے لیے حصہ مقرر کر دیا ہے۔

مسئلہ میراث کی اہمیت:

اسلامی قوانین وراثت شریعت اسلامی میں بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں، میراث کے قوانین قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں، میراث کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے نماز، روزہ، زکواۃ اور حج کا حکم بیان کیا ہے مگر ان کی تفصیل بیان نہیں کی ہے کہ کس طرح ادا کرنا ہے، ان کی تفصیل ہمیں سنت رسول اور احادیث مبارکہ میں ملتی ہیں لیکن میراث کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اللہ رب العزت نے خود قرآن میں اس کی تفصیل بیان کی ہے چنانچہ سورۃ النساء کی آیت نمبر گیارہ (11)، بارہ (12) اور ایک سو چھتر (176) میں باپ، بیٹا، بیٹی، خاوند، ماں، بیوی، بہن اور بھائی سب کے حصوں کو بیان کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی علم میراث سیکھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

” عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ « الْعِلْمُ ثَلاَثَةٌ وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ آيَةٌ مُحْكَمَةٌ أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ أَوْ فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ“[97]

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن علوم کا سیکھنا ضروری ہے وہ تین ہیں، جبکہ دوسرے علوم کا سیکھنا فضیلت کے باب میں ہے اور وہ تین علوم یہ ہیں، قرآن کی آیات احکام کا سیکھنا، سنت نبوی کا علم، تیسرا فرائض یعنی وراثت کا علم جو سارا کا سارا حق پر مبنی ہے۔“

حضرت عمرؓ نے فرمایا”تعلموالفرائض فأنهامن دينكم “علم میراث کو سیکھو کیونکہ یہ بھی دین میں سے ہے“

قرآن کی آیت اور ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ میراث کے قوانین کی بہت اہمیت ہے، قرآن نے تفصیل سے بیان کیا ہے اس لیے اس کے ادا کرنے میں بھی ہمیں خصوصی خیال رکھنا چاہیے، عورتوں کو میراث نہ دینا یہ سراسر ظلم وزیادتی ہے اور اس پر قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔

97۔سنن ابی داود، کتاب الفرائض، حدیث نمبر2885

میراث نہ دینے پر وعید:

قرآن کریم میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

" إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا"[98]

"یقین رکھو جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور انہیں جلد ہی ایک دہکتی آگ میں داخل ہونا ہو گا"

علامہ قرطبی اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

" وقال ابن زيد: نزلت في الكفار الذين كانوا لا يورثون النساء ولا الصغار"[99]

"ابن زید کہتے ہیں کہ یہ آیت ان کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو عورتوں اور بچوں کو میراث نہیں دیتے تھے"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ عورتوں اور یتیم بچوں کی میراث کھاتے ہیں ان کو اس میں سے حصہ نہیں دیتے ہیں گویا وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں ،کل قیامت کے دن میدان محشر میں ان کے منہ ،کان اور ناک سے آگ نکل رہی ہو گی علامہ طبری نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"إن الذين يأكلون أموال اليتامى ظلمًا إنما يأكلون في بطونهم نارًا" قال، إذا قام الرجل يأكل مال اليتيم ظلمًا، يُبعث يوم القيامة ولهبُ الناريخرج من فيه ومن مسامعه ومن أذنيه و أنفه وعينيه، يعرفه من رآه بأكل مال اليتيم"

"جو لوگ ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، مصنف کہتے ہیں جب کوئی آدمی یتیم کا مال کھاتا ہے ظلماً، قیامت کے دن اس کو اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ آگ کا شعلہ اس کے منہ ،کان، ناک، اور آنکھوں سے نکل رہا ہو گا، جو بھی اسے دیکھے گا اس کو پہچان لیے گا کہ یہ آدمی ہے جو یتیم کا مال کھاتا تھا"

اس آیت میں کتنی سخت وعید ہے ان لوگوں کے لیے جو میراث کھا لیتے ہیں در حقیقت یہ خود ہی اپنے لیے آگ تیار کر رہے ہیں ،ایک لمحہ کے لیے سوچا جائے میدان محشر میں کس قدر دردناک اور اذیت ناک سزا کا سامنا ہو گا، جو آگ وہ دنیا میں اپنے پیٹ میں پال رہا تھا کل یہی آگ اس کے جسم کے مختف حصوں سے نکل رہی ہو گی اور سارے لوگ اس کو پہچان لیں گے کہ یہ وہی شخص ہے جو دنیا میں یتیم کا مال کھایا کرتا تھا، جو لڑکیوں کو میراث نہیں دیتا تھا، جو اپنی بہن کی میراث کو ساری زندگی آگ کی صورت میں اپنے پیٹ میں ڈالتا رہا آج وہی آگ شعلہ بن کر اس کے جسم کو بھسم کر رہی ہے،

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

98۔النساء،10/4

99۔القرطبي ،أبو عبد الله محمد بن أحمد ،الجامع لأحكام القرآن ،ج5،ص53،دار الكتب المصرية، 1384ھ - 1964

”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وسَلَّمَ : مَنْ فَرَّ مِنْ مِيرَاثِ وَارِثِهِ ، قَطَعَ اللَّهُ مِيرَاثَهُ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“[100]

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے وارث کو میراث دلانے سے بھاگے قیامت کے دن اللہ تعالی جنت سے اس کی میراث ختم کر دے گا“

ہم دنیا میں نیک اعمال اس لیے کرتے ہیں تا کہ قیامت کے دن ہم کامیاب و سرخرو ہو سکیں اور اللہ کی رضامندی کے ذریعے جنت الفردوس میں جگہ پا سکیں، اب جو آدمی میراث میں عورتوں کو حصہ نہیں دیتا تو جنت سے اس کا حصہ ختم کر دیا جائے گا، جنت میں اس کو جو میراث ملنی ہے اس سے وہ آدمی محروم ہو جائے گا۔

خلاصہ بحث:

حاصل کلام یہ ہے کہ میراث کی منصفانہ تقسیم ضروری اور واجب ہے، بہن اور بیٹی کو میراث میں حصہ دینا شرعاً لازم ہے نہ دینے والے کے لیے قرآن میں سخت وعیدیں آئی ہیں، اس لیے کوہستان میں جو رسم موجود ہے اس سے بچنا چاہے در حقیقت کوہستانی قوم شریعت محمدی کے بجائے مشرکین مکہ کے نقش قدم پر چل رہی ، اس فرسودہ رسم کو چھوڑ کر دین محمدی اور اسلام کی مذہب اعتدال پر چلنا چاہیے۔

100۔ سنن ابن ماجة، حديث نمبر2703

سفارشات

جن رسومات کا ذکر اس مقالے میں کیا گیا ہے یقیناً یہ غلط رسومات ہیں، اسلام اور دین محمدی ﷺ سے ان کا کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہے، جن کی تفصیلی بحث اور شرعی معاشرتی نقصانات کا ذکر مقالے میں گزر چکا ہے۔ یہاں چند سفارشات پیش خدمت ہیں۔

- علماء کو چاہیے کہ اخلاص کے ساتھ ان رسومات کی قباحت اور شناعت سے لوگوں کو آگاہ کریں، کیونکہ علاقائی رسومات میں مشقت اور مشکلات زیادہ ہیں، اس کے مقابلے میں اسلام طرز زندگی آسان اور سہل ہے، اگر لوگوں کو اس پیار و محبت سے سمجھایا جائے اور لوگوں کو یہ بات سمجھ آجائے تو جلد ہی یہ رسومات ختم ہو جائیں گئے۔
- رمضان المبارک اور دیگر تقریبات اور دروس قرآن میں ان رسومات کا ذکر کریں۔
- سب سے پہلے خود اپنے عمل سے ان رسومات کو ختم کر کے عملی نمونہ پیش کریں۔
- اپنے عزیز و اقارب کو حسب طاقت منع کریں۔
- علاقائی سطح پر کمیٹیاں بنائیں جس میں علماء اور مقامی لوگ شامل ہوں جو لوگوں کو ان رسومات سے منع کریے۔
- ضرورت پڑھنے پر ان رسومات پر عمل کرنے والوں سے بائکائٹ کیا جائے۔

کتابیات:

قرآن:

تفاسیر:

1. الجامع لأحكام القرآن ،محمد بن أحمد بن أبي بكر،
2. تفسيرطبري، محمد بن جرير بن يزيد،
3. صفوة التفاسير،محمد علي صابوني۔
4. معارف القرآن،مفتی شفیعؒ

احادیث:

1. الجامع الصحيح ، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم،
2. سنن النسائي الكبرى ، أحمد بن شعيب،
3. سنن الترمذي ، محمد بن عيسى۔
4. سنن ابن ماجه،كتاب النكاح،حديث نمبر1874
5. سنن أبي داود ,سليمان بن الأشعث السجستاني ، ،حديث نمبر3887،كتاب الطب،
6. مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ،

فقه:

1. الاشباہ والنظائر،زین الدین بن ابراہیم بن محمد،،دارالکتب العلمیة،2010
2. التعریفات للجرجانی،،علی بن محمدبن علی الجرجانی،
3. القاموس الجدید،وحید الزمان۔
4. مجموعة رسائل ابن عابدين ،السيد محمدامين۔
5. الوجیزفی اصول الفقه ۔سیدعبدالکریم زیدان۔
6. قاموس الفقہ،مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔
7. بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ،علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد۔
8. ابن نجيم، زين الدين بن إبراهيم بن محمد،970ھ ،البحر الرائق شرح كنز الدقائق۔
9. حاشية ابن عابدين،، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز۔

10. البحرالرائق،زين الدين بن ابراہیم بن محمد۔
11. الهداية في شرح بداية المبتدي ،علي بن أبي بكربن۔
12. الموسوعة الفقهية،،وزارت اوقاف والشئون الاسلامية الكويت،
13. جدید فقہی مباحث،مجاہدالاسلام قاسمی۔
14. الفقه الاسلامی والدلته،,الدکتوروهبه زحیلی،
15. جواہرالفقہ،مفتی شفیع،

فتاویٰ:

1. الفتاوى الهندية ,الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند
2. احسن الفتاوی،مفتی رشید احمد۔
3. فتاوی مفتی محمود،مفتی محمود۔
4. فقہی مسائل،مصباح الرحمن یوسفی۔
5. کفایت المفتی،مفتی کفایت اللہ دھیلوی۔
6. فتاوی دارالعلوم حقانیہ،مولانا عبدالحق۔
7. تفہیم المسائل،گوہر رحمن۔

لغات:

1. 1القاموس الوحید،وحید الزمان،ادارہ اسلامیات لاھور۔
2. رابعہ اردو لغت،،سعید اے شیخ،اسلامک بک سروس۔
3. مصباح اللغات،،مولانا عبدالحفیظ بلیاوی،

فہرست آیات

نمبرشمار	آیت	سورت نمبر	صفحہ نمبر
1	یاایھاالذین امنوالایحل لکم ان ترثواالنسآء کرھا	24	8
2	وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا	6	11
3	وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا	16	18
4	فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ	1	26
5	و آتوا النساء صدقاتهن	4	30
6	فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ	4	32
7	الَّذِى عَلَّمَ بِالْقَلَمِ	96	35
8	الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا	4	41
9	لا يحل لكم أن ترثوا	4	46
10	فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ	4	48
11	للرجال نصيب مما ترك الوالدان	4	52
12	إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى	4	54

فہرست احادیث

نمبر شمار	حدیث	کتاب	صفحہ نمبر
1	لا ترجعوا بعدي كفارا	سنن النسائی	12
2	الصلح جائز بين المسلمين	سنن الترمذي	12
3	من ابتلي بشيء من البنات	سنن الترمذي	19
4	من عال جاريتين دخلت	سنن الترمذي	19
5	نہی عن الشغار	صحیح البخاری	22
6	الأيم أحق بنفسها من وليها	سنن الترمذي	27

7	إِنَّ أَبِي زَوَّجَنِي ابْنَ أَخِيهِ	سنن ابن ماجہ	28
8	لا تسكنوا نساءكم الغرف	قرطبی	34
9	فَقَالَ لِمألاَ تُعَلِّمِينَ هَذِهِ رُقْيَةَ	سنن أبي داود	36
10	ثلاثة لا ينظر الله عزوجل إليهم يوم القيامة	سنن النسائی	40
11	لا يحل دم امرئ مسلم	صحیح المسلم	41
12	قال عمر لقد خشيت أن يطول بالناس	صحیح البخاری	42
13	إذا مات الرجل كان أولياؤه أحق بامر أته	صحیح البخاری	46
14	إذا كان عند الرجل امر أتان فلم يعدل	سنن الترمذي	49
15	كان يقسم بين نسائه فيعدل	سنن الترمذي	50
16	كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا انصرف من العصر	صحیح البخاری	51
17	أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسأل في مرضه الذي	صحیح البخاری	51
18	الْعِلْمُ ثَلاَثَةٌ وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ	سنن أبي داود	53
19	مَنْ فَرَّمِنْ مِيرَاثِ وَارِثِهِ	سنن ابن ماجہ	55

تمت بالخير